

© شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی

Rani Ketki Ki Kahani

Author

Inshaullah Khan Insha

Edited by

Professor Saheb Ali

Published : December, 2011

Price : Rs. 50/-

Publisher : Dept. of Urdu, University of Mumbai

Quantity : Four Hundred

ISBN No. 978-81-909142-4-2

رانی کیتکی کی کہانی

انشا اللہ خاں انشا

رانی کیتکی کی کہانی	:	کتاب کا نام
پروفیسر صاحب علی	:	مرتب
دسمبر، 2011	:	اشاعت
50 روپے	:	قیمت
شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، کالینا، سانتا کروز (ایسٹ) ممبئی - ۴۰۰۰۲۳	:	ناشر
چارسو	:	تعداد

مرتب
پروفیسر صاحب علی

پیشکش

اردو چینل پبلی کیشنز
گجان کالونی، گوونڈی، ممبئی - ۴۰۰۰۲۳

شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی

انتساب

اردو کے اُن ابتدائی
نشرنگاروں کے نام جنہوں نے
اس زبان کے ارتقا کو ممکن بنا�ا

اور شوخی کی اس بڑی عادت کے سبب 1810ء میں سعادت علی خاں نواب، وزیر اودھ کے دربار سے نہ صرف برخواست کیے گئے بلکہ انھیں لکھنؤ سے نکل جانا پڑا۔ بعد میں لکھنؤ آنے کی اجازت مل گئی تاہم انشا کے زندگی کے آخری ایام نصیبی، افلاس اور گوشہ نشینی کی حالت میں گزرے۔

انشا اللہ خاں انشا کی ذہانت اور جدت پسندی انھیں اپنے ہم عصروں میں نہ صرف منفرد بلکہ تاریخ ادب اردو میں ممتاز مقام بھی دلاتی ہے۔ وہ ولی اودھ سعادت خاں کے دربار سے وابستہ تھے۔ انشا نے غزل میں الفاظ کے متنوع استعمال سے تازگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ تاہم بعض اوقات محض قافیہ پیائی اور ابتدال کا احساس بھی ہوتا ہے۔ انشا کی غزل میں لکھنؤی تمدن کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ انشا کے مزاج اور کلام کی حاضر جوابی اور بذله سنجی نے انھیں نواب سعادت علی خاں کا چھیتا بنا دیا تھا۔ ترstell سال کی عمر میں 1817ء میں انھوں نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اپنی اس ترstell سال زندگی میں انشا نے دنیاوی عروج و زوال بھی دیکھا اور شاعری اور نشر کا کمال بھی دکھایا۔ ان کا کلیات جو شائع ہو گیا ہے اس میں شامل کلام حصہ ذیل ہے:

(۱) دیوان اردو (۲) دیوان ریختی (۳) قصائد مع ایک قصیدہ بنے نقط و ترکی اشعار وغیرہ (۴) دیوان فارسی (۵) مثنوی شیر و برلنخ (۶) مثنوی بنے نقط و ترکی اشعار وغیرہ (۷) مثنوی شکار نامہ (۸) مثنویات درہ جوز نبور، ٹھمل، مکس (۹) شکایت زمانہ (۱۰) مثنوی فیل (۱۱) مثنوی درہ جو گیان چند ساہو کار (۱۲) اشعار متفرقہ، رباعیات، قطعات تاریخ وغیرہ (۱۳) پہلیاں و چیستانیں، محسن وغیرہ (۱۴) دیوان اردو بنے نقط و رباعیات وغیرہ (۱۵) شرح ماہ عامل نظم فارسی (۱۶) مرغ نامہ: اطائف و ترکی روز نامچہ کے علاوہ نشر کی تین کتابیں بھی انھوں نے تحریر کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا کے ان

دیباچہ

”رانی کیتکی کی کھانی“، اردو نشر کی اولين کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ اردو کے معروف استاد شاعر انشا اللہ خاں انشا کی خداداد صلاحیت، ذہانت، جدت اور خلاقی کا ایسا نادر نمونہ ہے جس کی کوئی اور مثال اردو ادب میں نہیں ملتی۔ سید انشا اللہ خاں انشا کے والد کا نام میر ماشا اللہ خاں تھا۔ وہ ایک ماہر طبیب تھے، شاعری سے بھی شغف تھا اور مصدر تخلص فرماتے تھے۔ انشا کے بزرگ مغلیہ سلطنت کے عروج کے وقت نجف اشرف (عراق) سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ بعد میں جب مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا تو ایک بار پھر انشا کے خاندان نے ہجرت کو ترجیح دی اور ان کے والد میر ماشا اللہ خاں اٹھا رہویں صدی کے وسط میں دہلی سے ہجرت کر کے مرشد آباد چلے گئے۔ وہیں 1754ء میں انشا پیدا ہوئے۔ انشا کی تعلیم و تربیت مرشد آباد میں ہوئی۔ 1786ء میں وہ شاہ عالم کے دور میں دہلی گئے لیکن ترقی کے امکانات معدوم دیکھ کر لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ لکھنؤ میں شاہ عالم کے بیٹے سلیمان شکوہ نے ان کی سرپرستی فرمائی پھر سعادت علی خاں نواب، وزیر اودھ کے دربار میں رسائی ہوئی اور ایک عرصہ تک وہ اس دربار سے وابستہ رہے۔ چونکہ انشا کے مزاج میں ظرافت اور زندہ دلی بہت تھی الہمنداق

ہوں:

”ہر وہ لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا عربی ہو یا فارسی ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا یورپی از روئے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے مطابق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے۔“

(”دریائے لاطافت“، از: سید انشا اللہ خاں انشا، ص: ۲۷)

در اصل انشا اردو کو ایک علیحدہ زبان تسلیم کرتے تھے۔ لہذا ان کا خیال تھا کہ دیگر زبان کے الفاظ لسانی ضرورتوں کے تحت اردو میں شامل ہوئے اور زمانے کے ساتھ ساتھ منجھ کر اصل اردو کے الفاظ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان الفاظ کا اصل زبان کے الفاظ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ اپنے اسی نظریے کے تحت وہ لفظ غدر جو عربی لفظ ہے اور عربی میں بسکون دال بولا جاتا ہے، اردو میں بفتح دال کے تلفظ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح انشا برقا کو اردو کا لفظ بتاتے ہیں اگرچہ وہ خلاف اصل ہے۔

”دریائے لاطافت“ کے حصہ اول کا دوسرا باب بھی نہایت دلچسپ ہے۔ اسے بھی انشا نے قلمبند کیا ہے۔ اس میں مختلف بولیوں کے بابت کلام کیا گیا ہے۔ اس باب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انشا کا لسانی شعور بہت بلند اور بالغ تھا اور ہندوستان کے مختلف صوبوں سے دلی آکر بس جانے والوں کی بولیوں یا زبان کے تعلق سے ان کا مشاہدہ کافی وسیع تھا۔ ان بولیوں کے تلفظ اور لمحے پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔ مختلف قوموں اور صوبوں کے افراد کے درمیان کسی لفظ کا غلط تلفظ کیا شکل اختیار کرتا ہے اور وہ لوگ کس لمحے میں بات چیت کرتے ہیں اس سلسلے میں انشا نے جس تفصیل سے اس باب میں گفتگو کی ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انشا نہ صرف اردو زبان بلکہ بولیوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ مثلاً انہوں نے اسی باب میں سادات بارہہ کے محلہ

تینوں نشری کتب میں دو کتابوں یعنی ”دریائے لاطافت“ اور ”رانی کیتکی کی کہانی“ نے انھیں اردو ادب میں زندہ جاوید بنا دیا۔ نظر میں ان کی تیسری کتاب ”سلک گھر“ ہے۔ سید انشا کے مذکورہ بالا نشری کارنا مے اپنے موضوع کے اعتبار سے اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ”دریائے لاطافت“، اردو صرف دخواج، عروض و قافیہ، معانی و بیان یعنی اردو گرامر کے موضوع پر کسی ہندوستانی کے ذریعے لکھی گئی پہلی کتاب ہے۔ اس سے قبل یورپی علماء مثلاً سیکل پیپر، فارلس اور پلپیٹس نے اردو قواعد میں بہت نام پیدا کیا تھا۔ تاہم انشا کی کتاب ”دریائے لاطافت“، کومولوی عبدالحق نے ”جامع اور بے مثل“ کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلا حصہ زبان، اس کے مختلف لمحے اور اس کی صرف دخواج سے متعلق ہے۔ اسے انشا اللہ خاں انشا نے تحریر کیا ہے جبکہ دوسرا حصہ معانی، عروض اور قافیہ پر مشتمل ہے اسے اس کتاب کے شریک مصنف مرزا محمد حسن قتل نے قلمبند کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت و فائدیت پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر عبدالستار دلوی نے لکھا ہے کہ:

”اس کتاب میں انشا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو کی آزادانہ حیثیت کو تسلیم کرنے پر زور دیا اور اس کی صوتی اور نحوی تراکیب کو ہندوستانیت سے قریب لانے کی پہلی شعوری اور سائنسی کوشش کی اور اسے عربی و فارسی کی اندھی تقليید سے بچانے کی بھی کوشش کی اور اس کی فطری ساخت کے پیش نظر اصول مرتب کیے اور بول چال کی زبان کی اہمیت پر زور دیا۔ یہ کتاب جدید لسانیات کی رو سے اردو کا ”کلاسک“ ہے۔“

(پروفیسر عبدالستار دلوی: رانی کیتکی کی کہانی ص: ۱۱)
اردو زبان کی آزادانہ حیثیت کے تعین کی بابت خود انشا کے الفاظ بھی ملاحظہ

دوسری زبان کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ خود انشانے کتاب کے آغاز میں اس ضمن میں کلام کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

”ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنی دھیان میں چڑھی کہ کوئی کہانی ایسی کہے، جس میں ہندوی چھٹ کسی اور بولی کا پٹ نہ ملے۔ تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری، اس کے بیچ میں نہ ہو۔“

(”رانی کیتکی کی کہانی“، از: انشا اللہ خاں انشاص: ۱۰)

انشا اللہ خاں انشانے جیسا ارادہ کیا تھا ویسا کردھایا اور شاید یہ کارنامہ انشائی

انجام دے سکتے تھے کیوں کہ انھیں نہ صرف اردو زبان بلکہ بولیوں ٹھولیوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ”رانی کیتکی کی کہانی“ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں اہمیت کی حامل ہے۔ دونوں زبانوں کے محققین اور نقاد اس کہانی کو اپنی اپنی زبان کی اولین تصنیف قرار دیتے ہیں۔ ہندی محقق ڈاکٹر چھوٹی ناٹھر تپاٹھی، برج رتن داس اور پنڈت رام چندر شکل وغیرہ اس کتاب کو ہندی تصنیف قرار دیتے ہوئے اس کا سن تصنیف ۱۸۰۳ء بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر پرماند اور پنڈت شیام سندر داس اسے ۱۸۰۸ء کے درمیان کی تصنیف بتاتے ہیں۔ جبکہ معروف اردو محقق عابد پیشواری نے اسے خالص اردو تصنیف قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

”اصلًا یہ کہانی اردو میں لکھی گئی۔ اگرچہ یہ اپنی زبان کے اعتبار سے ہندی بلکہ ہندوستانی سے زیادہ قریب ہے اور اسی سب سے ہندی والوں نے اسے اپنایا بھی ہے لیکن اسلوب کے اعتبار سے یہ خالص اردو ہے۔ ہندی بنادینا بعد کی تحریف ہے۔“

(رانی کیتکی کی کہانی۔ ص: ۱۱)

(دہلی) کی زبان پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اس چھوکرے کوں کرنا (کتنا) کہا مجھ سوں (سے) نہ بولا کر دنوں
ٹانگا مار (میں) سر کر دوں گا اب توں (تک) آپڑ سے (اپنے) اوپ
بدنا می نہیں کہیں بار ہے ما (میں) ہمیں بدنا م نہ کرنا۔“

(دریائے اطافت، از: انشا اللہ خاں انشا، ص۔ ۹۸)

مذکورہ بالامثالیں پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اندازہ ہو سکے کہ انشانے مختلف صوبوں سے دلی آکر بس جانے والوں کی بولیوں کا کتنا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ تلفظ اور بچھے پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

انشا اللہ خاں انشا کی دوسری مشہور نثری تصنیف ”رانی کیتکی کی کہانی“ ہے۔ یہ ایک طبع راد داستان ہے اور اس میں رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ جس دور کی تصنیف ہے وہ اردو میں داستان گوئی کا ابتدائی دور تھا۔ فورٹ ولیم کالج کی سرپرستی میں نو طرزِ مرصع، باغ و بہار، آرائشِ محفل ہفت گلشن جیسی داستانیں تحقیق کی گئیں۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین و مؤلفین کالج کی ضرورت کے منظراً باقاعدہ منصوبے کے تحت داستان نگاری کا یہ کارنامہ انجام دے رہے تھے۔ جبکہ فورٹ ولیم کالج سے ہزاوں میل دورِ محض اپنی جدت طبع اور فطری ذہانت کے سبب انشانے ”رانی کیتکی کی کہانی“، جیسی بے مثال داستان تصنیف کی۔ یہ ایک مختصر داستان ہے۔ فسانہ عجائب اور باغ و بہار کا شمار بھی مختصر داستانوں میں ہوتا ہے لیکن ”رانی کیتکی کی کہانی“، کوان دونوں کے مقابلے میں مختصر ترین کہا جاسکتا ہے۔ لگ بھگ پچاس پچپن صفحات کی یہ داستان طویل افسانہ یاناولٹ کے برابر ہے۔ دراصل ”رانی کیتکی کی کہانی“، کی زبان ہی اس کے اختصار کی وجہ ہے۔ داستانوں کی طوالت میں زبان بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ انشانے اس داستان میں یہ اتزام کیا ہے کہ ہندوستانی یا ہندوی کے علاوہ کسی

میں دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ لیکن سہیلیوں کو دکھانے کی خاطر رانی کنور پر برس پڑی۔ رانی نے کنور کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔

کنور نے جب یہ بتیں سنیں تو بہت مایوس ہوا۔ اُس نے رانی سے درخواست کی کہ ”میں دن بھر کا تھکا مسافر ہوں۔ کسی پیڑ کی اوٹ میں رات کاٹ لوں گا اور علی الصبح منہ اندر ہیرے چلا جاؤں گا۔“ رانی کیتکنی نے کنور کی یہ درخواست سن کر اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہوئی کہ ”ان کنور سے کہہ دو جہاں جی چاہے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں انھیں پہنچاؤ۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مارنیں ڈالا۔ ان کا چہرا اور ظاہری میں ارد رو زمرہ کا استعمال جگہ جگہ ہوا ہے۔“ لیکن ہمارے اور ان کے درمیان کسی پیڑ کی اوٹ کردو۔“ کنور نے اتنی آزادی پائی تو ایک طرف آموں کے پیڑ کے نیچے ڈیرا ڈال دیا لیکن دل میں آگ لگ چکی تھی وہ سونہ کا ادھر یہی حالت کیتکنی کی بھی تھی۔ اس نے اپنی خاص اور منہ لگی سہیلی مدن بان کو جگا کر اپنی حالت بیان کی۔ مدن بان کیتکنی کو کنور اور ہے بھان کے پاس لے گئی اور اُس کا بھر پور تعارف کرنے کے بعد کنور سے پوچھا کہ ”اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو، کس دلیں کے ہو؟“ کنور اور ہے بھان نے اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ اس کے بعد مدن بان کے مشورے پر دونوں نے اپنی اپنی انگوٹھیاں بدل لیں بلکہ اقرار نامے بھی لکھ کر ایک دوسرے کو دیئے۔ صبح کیتکنی اپنی سہیلیوں کے ساتھ محلِ لوٹ گئی اور کنور اپنے لوگوں کے درمیان آگیا۔

کیتکنی سے جدا ہونے کے بعد کنور اور ہے بھان کی حالت غیر ہو گئی۔ اسے نہ دن کو چین اور نہ رات کو آرام ملتا تھا۔ کھانے پینے کا ہوش رہتا نہ پہنچے کا۔ آخر کار کنور کی اس حالت سے مہاراج بھی واقف ہو گئے۔ انھوں نے اودھے بھان سے بہت پوچھا مگر شرم کے باعث اودھے بھان انھیں کچھ بتانے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ آخر کار وہ اپنی دل کی حالت لکھ کر دینے پر راضی ہو گیا۔ اپنی پوری روداد کے ساتھ اس نے کیتکنی کی انگوٹھی

اس تعلق سے ڈاکٹر گیان چند نے مندرجہ ذیل داخلی شواہد کی مدد سے ”رانی کیتکنی کی کہانی“، کوارڈ و ٹائیف ثابت کیا ہے:

۱۔ قصے کی ابتداء میں اردو کے ڈھنگ پر حمد و نعمت اور منقبت ہے۔

۲۔ قصے میں جو اشعار استعمال کیے گئے ہیں وہ اردو اوزان میں ہیں۔

۳۔ انشا اردو کے شاعر و ادیب تھے نہ کہ ہندی کے۔

۴۔ کہانی کا اسلوب اردو داستانوں کے اسلوب سے بہت قریب ہے اور کہانی میں اردو روزمرہ کا استعمال جگہ جگہ ہوا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”رانی کیتکنی کی کہانی“، تاریخی اور لسانی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ انشا نے اس کتاب کے ذریعے کھڑی بولی کو ترقی دی ہے اور کھڑی بولی ہی اردو اور ہندی اور زبانوں کی بنیاد ہے۔ لہذا ”رانی کیتکنی کی کہانی“ کی زبان کو ہندوستانی یا ہندوی ہی کہنا زیادہ صحیح ہے جس میں بیرونی زبان کا کوئی لفظ نہیں آیا۔

”رانی کیتکنی کی کہانی“ کے قصے کا خلاصہ درج ذیل ہے:

نوجوان اور خوبصورت کنور اور ہے بھان، راجا سورج بھان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و شکار کی غرض سے نکلا۔ راستے میں اسے ایک ہرنی نظر آئی، کنور نے اس کے پیچے گھوڑا ڈال دیا۔ ہرنی کا پچھا کرتے کرتے شام ہو گئی اور کنور اپنے ساتھیوں سے پچھڑ گیا۔ کنور اور ہے بھان بھوکا پیاسا کسی پنا گاہ کی تلاش میں سرگردان تھا کہ اسے آم کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ وہ جھنڈ کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے چالیس پچاس حصینا میں جھولا جھول رہی ہیں۔ کنور اور ہے بھان کو دیکھتے ہیں وہ سب اڑکیاں گھبرا سی گئیں اور کون ہے؟ کون ہے؟ کا شور بلند کرنے لگیں۔ شور سُن کر رانی کیتکنی بھی متوجہ ہوئی۔ اُس کی اور کنور اور ہے بھان کی نگاہیں ملیں اور پہلی ہی نگاہ

مل کر کیتکی کی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ جنگل میں دونوں سہیلیوں کی ملاقات ہوئی اور وہ کیتکی کو گھر لے آئی۔ راجا جگت پرکاش کیتکی کے آگے شکست تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنے گروہندر، گر کو بلا کر راجا سورج بھان، کنوراودھے بھان اور لکشمی بان کوتلاش کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ مہندر، گر ان کی درخواست سن کر راجا اندر سے مدد طلب کرتا ہے اور اُس کے منصوبے اور مشورے پر موسیقی کا پروگرام رکھا جاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت سازندوں نے طرح طرح کے ساز بجائے شروع کیے تو جنگل کے سارے کے سارے ہر کھنچ کر وہاں آگئے۔ ان میں سورج بھان، لکشمی بان اور کنوراودھے بھان بھی تھے۔ مہندر، گر جادو کے زور سے انھیں پھر سے اصل شکل میں لے آیا اور اُس نے کنوراودھے بھان کو اپنا بیٹا بنالیا۔ اس کی شادی رانی کیتکی سے کردی۔ اس طرح یہ کہانی اس حسین روایت پر ختم ہو جاتی ہے کہ جیسے ان لوگوں کے دم پھریں اور بچھڑے ہوئے ملیں ویسے ہمارے تمہارے دن پھریں۔

انش اللہ خاں انشا کی اس مختصر داستان کے مرکزی کردار رانی کیتکی اور کنوراودھے بھان ہیں۔ لیکن اس داستان میں وہ کوئی زندہ اور بھرپور کردار نہیں پیش کر سکے۔ ظاہر ہے کہ داستان قلمبند کرتے ہوئے انشا کا مقصد زبان و بیان کا ایک انوکھا نمونہ پیش کرنا تھا نہ کہ بہترین اور عمده داستان لکھنا یا کردار نگاری کا نمونہ پیش کرنا۔ لہذا اس داستان میں اُن کا سارا زور اسلوب اور زبان و بیان پر ہے۔ البتہ قصہ کے لحاظ سے کرداروں کے مزاج و شاخت قائم کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کردار نگاری کا ہلکا چھلکا اثر دکھائی دے جاتا ہے۔

مرکزی کردار، رانی کیتکی کہانی میں پہلی بار اُس وقت نظر آتی ہے جب کنوراودھے بھان اپناراستہ بھٹک کر اُس باغ تک جا پہنچتا ہے جہاں کیتکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگتے ہیں

اور اقرار نامہ بھی اپنے والدین کے پاس بھجوادیا۔ اس طرح جب راجا سورج بھان کو حقیقت کا علم ہوا تو انھوں نے کیتکی کے والدین کو شادی کا پیغام بھجوایا۔ لیکن کیتکی کے والد نے اس پیغام کا جواب نفی میں دیا: ”ان کے ہمارے ناتانیں ہونے کا۔ ان کے باپ دادا ہمارے داداوں کے آگے سدا ہاتھ جوڑے با تین کرتے تھے۔ کیا ہوا؟ جواب وہ بڑھ گئے اور اوابنچے چڑھ گئے۔ جس کے ہم باٹیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگادیں وہ مہارا جوں کا راجا ہو جاوے کس کامنے ہے جو یہ بات ہمارے منہ لا دے۔“

صرف یہی نہیں بلکہ کیتکی کے والد راجا جگت پرکاش نے راجا سورج بھان کے قاصد کو بھی قیدی بنالیا۔ جب یہ خبر راجا سورج بھان تک پہنچی تو انھوں نے جگت پرکاش پر چڑھائی کر دی۔ گھسان کی لڑائی ہونے لگی اور اس لڑائی میں قریب تھا کہ راجا جگت پرکاش کو شکست ہو جاتی کہ اسی درمیان کیتکی کے والد اپنی شکست نزدیک دیکھ کر اپنے گروہندر، گر کو بلا یا وہ آندھی اور طوفان کی طرح وہاں آپنچتا ہے اور اپنے طسم کے زور سے سورج بھان، کنوراودھے بھان، لکشمی بان اور ان کی نوے لاکھ کی فوج کو ہرنا بنا دیتا ہے۔ اس طرح اس لڑائی میں نہ صرف اودھے بھان کو شکست ہوئی بلکہ اُس کے خاندان کے ساتھ اس کی پوری فوج بھی انسان سے جانور میں تبدیل ہو گئی۔ گروہندر، گر وہاں سے روانہ ہوتے وقت جگت پرکاش کو ایک بھجھوت دے گیا۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ اس کو آنکھ پر لگانے سے لگانے والا دنیا کی نظر وہ سے چھپ جاتا تھا۔ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا جبکہ وہ سب کو دیکھ سکتا تھا۔ کچھ دنوں بعد کیتکی کسی طرح وہ بھجھوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اُس نے پہلے مدن بان کو ساتھ لے کر کنوراودھے بھان کی تلاش میں جانے کا ارادہ کیا لیکن مدن بان کے انکار کرنے کے بعد وہ خود ہی آنکھوں میں بھجھوت لگا کر کنور کی تلاش میں نکل پڑی۔ کیتکی کی گم شدگی کی وجہ سے اُس کے والدین بہت پریشان ہوئے۔ اُن کی پریشانی دیکھ کر مدن بان بھی آنکھوں میں بھجھوت

سیرت اور معصوم ہے، لیکن اس میں جوانی کی شوخی بھی موجود ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ چنچل، با حوصلہ اور پر عزم بھی ہے۔ اس کے برخلاف اودے بھان کا کردار اتنا بھرپور اور اثر انگیز نہیں ہے۔ پوری داستان میں رانی کیتکی کا کردار چھایا ہوا ہے۔ کیتکی کے علاوہ دوسرا با اثر کردار کیتکی کی سہیلی مدن بان کا ہے۔ اس کے کردار میں بھی حوصلہ، پختگی اور جان ثاری کا عضر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی سہیلی کیتکی کے لیے ہر صعوبت برداشت کرنے کو تیار ہے اور کنور اودے بھان کی بازیافت میں وہ رانی کیتکی کے شانہ بہ شانہ شامل رہتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے کردار بھی اس داستان میں ہیں جو اپنا تاثر نقش کرتے ہیں۔ مثلاً کیتکی کے والدرا جا جگت پر کاش، گروہندر گروغیرہ۔

کردار نگاری کے علاوہ انشانے واقعہ نگاری میں بھی کمال دکھایا ہے۔ اول تو بیانیہ میں وہ راوی کی حیثیت سے اس طرح شامل ہیں گویا خود بھی کہانی کے ایک کردار ہیں۔ اس داستان میں واقعہ نگاری کا اصل حسن مقامی معاشرت کے فکری، تہذیبی اور جذباتی عناصر کی رنگ آمیزی سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مختصر سی داستان میں کئی جگہ قصہ محض ایک تہذیب کی دلکش تصویر کیشی کے سہارے آگے بڑھتا ہے۔ خصوصاً قصے کا آخری حصہ تو اس طرح کی دلچسپیوں سے مالا مال ہے۔

جیسا کہ انشانے دعویٰ کیا تھا داستان میں ہندی/اردو کے علاوہ کسی اور زبان کے الفاظ سے پرہیز کے التزام کو پوری کامیابی سے نبھایا ہے۔ کہانی میں بمشکل ایک آدھ جگہ بدیکی زبان کا لفظ آیا ہے۔ دراصل انشا کی اس کامیابی میں قصے کے انتخاب نے بیادی کردار ادا کیا ہے۔ ”رانی کیتکی کی کہانی“، شاید اردو کی پہلی ایکی داستان ہے جو مکمل طور پر ہندوستانی سرز میں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندو اونی زندگی اور معاشرت، راجہ مہاراجے، رانی مہارانی، دیوی دیوتا، گرو اور بامُن کے ساتھ ساتھ انشانے روایتی ہندوستانی موسیقی و رقص کو بھی اس داستان میں بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

لیکن رانی کیتکی کچھ شرم کی وجہ سے اور کچھ سہیلیوں کو دکھانے کی غرض سے کنور پر برس پڑتی ہے۔ جب کنور معدتر کرتا ہے تو کیتکی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتی ہے اور قدیم ہندوستانی روایت، پاسداری اور مہمان نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتی ہے کہ：“ ان سے کہہ دو جہاں، جی چاہے اپنے پڑر ہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں تو انھیں پہنچا دو۔ گھر آئے کوئی نے آج تک مارنیں ڈالا۔”

اسی طرح جب وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی ہے تو اپنی خاص سہیلی مدن بان کو لے کر اودے بھان کے پاس جاتی ہے۔ یہاں بھی نسوانی حیا و شرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ساری گفتگو مدن بان کی معرفت کرتی ہے۔

قصے میں رانی کیتکی دوسری بار اس وقت آتی ہے جب اس کے والدرا جا جگت پر کاش اور اودھے بھان کے والد سورج بھان کی فوجوں کے مابین جنگ شروع ہوچکی ہوتی ہے۔ اس وقت کنور اودھے بھان اُسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور دلیش نکل چلے لیکن رانی کیتکی ایک مثالی شاہزادی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے انکار کر دیتی ہے اور وہ کنور کے لیے جان دینے کو تیار ہے لیکن اپنے والدین کے نام پر بٹھ لگانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ اس کردار کی چیخنگی اور عالمی ہمتی کی دلیل ہے۔

اس داستان کا دوسرਾ کردار کنور اودھے بھان کا ہے۔ قصے میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے کہ وہ سیر و شکار کو نکلتا ہے اور ایک ہر ان کا پیچھا کرتے کرتے راستہ بھٹک کر اس جگہ جا پہنچتا ہے جہاں رانی کیتکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ وہاں اس کی ملاقات کیتکی سے ہوتی ہے۔ اس ملاقات کے بعد وہ کیتکی کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس کے رات دن بہت بے چینی سے گزرتے ہیں اور اس کا سکون و چین چھن جاتا ہے۔ حالانکہ کنور اودھے بھان اس کہانی کے مرکزی کرداروں میں سے ہے تاہم سب سے پا اثر کردار رانی کیتکی کا ہے۔ رانی کیتکی کے کردار میں کئی خوبیاں ہیں۔ وہ نیک

جیسا کہ ہم جانتے ہیں بول چال کی زبان اور تحریر کی زبان کے الگ الگ آداب ہوتے ہیں۔ تحریر کی زبان میں گریئر کی پابندیاں روا کھی جاتی ہیں۔ لفظ کے درو بست کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جملے اور فقرے اپنے آپ میں درست اور مکمل ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تحریری عبارت نظری تکلفات سے پُر ہوتی ہے جبکہ بول چال کی زبان میں یہ پابندیاں نہیں ہوتی ہیں۔ یعنی تکلم کے انداز آزادانہ ہوتے ہیں۔ گفتگو میں چشم و ابر و اور دست و لب کے اشارے بھی بہت کام کرتے ہیں اور بہت سے لفظ حذف ہو جاتے ہیں یعنی کم ہو جاتے ہیں۔ فقرے عموماً چھوٹے ہوتے ہیں۔ دو فاقروں کو جوڑنے والے لفظ کبھی کبھی خارج کر دیے جاتے ہیں۔ آسان اور سادہ لفظوں کا استعمال ہوتا ہے۔ تابع محمل اور لفظی تکرار اکثر نظر آتی ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی میں انشانے یہی زبان استعمال کی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے جو وسائل اور طریقے اختیار کیے ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

الف: قابع محمول

- ۱۔ وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کوڈ چاندا اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں۔
- ۲۔ اوس کا جی لوٹ پوٹ ہوا۔ اوس ہرنی کے پیچھے سب کو چھوڑ چھاڑ کر گھوڑا پھینکا۔
- ۳۔ جہاں بھیڑ بھڑ کا دھوم دھڑ کانہ ہو.....
- ۴۔ ایسی کیا پڑی جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر، ریل پیل کر، اوپن اور تیل پھلیل بھرے ہوئے اون کے جھانکنے کو جا گھڑی ہوں؟

ب: تکرار لفظی

- ۱۔ لیٹیے ہوئے کچھ سوچ میں پڑے پڑے بڑ بڑا رہے تھے۔
- ۲۔ ہوتے ہوتے اپنی اپنی بیتی سب نے کھولی۔

داستان کی پوری فضا ہندوستانی ہے اور کردار ہندوستانی بولتے ہیں۔ داستان میں جہاں انشا راوی کافر یہ نہ انجام دیتے ہیں وہاں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ عبارت میں خالص ہندوستانی پن کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی سادگی، سلاست اور روانی برقرار رہے۔ مثلاً داستان کے آغاز میں پہلے ہی صفحہ پر حمد کے حصے کی سطریں دیکھیے:

”یہ کل کا پتلا جو اپنے اس کھلاڑی کی سدھر کھے تو کھٹائی میں کیوں پڑے اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اس پھل کی مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے الگوں نے چکھی ہے۔“

خدا اور بندے کے رشتہ کو منکرہ بالا عبارت میں انشانے ہندی کے manus اور سیدھے سادے لفظوں میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اس طرح کے جملے بیانیہ میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ مثلاً

”جوچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی، اتنا بڑھ چلننا اچھا نہیں۔ میرے سر چوٹ ہے اب اوٹھ چلو اور ان کو سونے دو اور روکیں تو پڑے رونے دو۔“

”جگ میں چاہ کے ھاتھوں کسی کو سکھنہ نہیں ہے۔ بھلا وہ کون ہے جسے دکھنہ نہیں ہے۔“

”تمہارے گھر کی یہ گت ہوئی۔ اب تک تم کیا کر رہے تھے اور کن نیندوں سو رہے تھے۔ پر تم کیا کرو، وہ کھلاڑی جو روپ چاہے سو دکھاوے، جوناچ چاہے سونچاوے۔“

پوری داستان میں بیانیہ کا یہی معمول ہے کہ سادگی، سلاست اور روانی ہے۔ مختصر یہ کہ انشانے اپنی زبان و بیان کی قدرت سے مشکل سے مشکل بات کو آسان اور دلچسپ بنادیا ہے۔

”رانی کیتکی کی کہانی“ کے متعدد نسخے بازار میں دستیاب ہیں لیکن طلبہ کی نصابی ضرورت کے تحت ترتیب دینے کی غالباً یہ پہلی کوشش ہے۔

اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں احباب کا تعاون شامل رہا ہے۔ خصوصاً معروف مترجم قاسم ندیم نے اس کے متن کی باریک بینی سے پروف ریڈنگ کر کے مجھے بڑی زحمتوں سے بچالیا اور عزیزی قرص دیتی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر مجھے بے فخری سے کام کرنے کا موقع عنایت کیا۔ میں ان دونوں حضرات کا مشکور ہوں۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب طلبہ کی ضروریات کو پوری کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

پروفیسر صاحب علی
صدر شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی

۳۔ اور گھڑی گھڑی کچھ کچھ سوچ سر دھننا۔

۴۔ جن گانوں میں جہاں جہاں ھوں اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر اچھے اچھے پھونے بچھا بچھا کر گاتے بجاتے، دھو میں مچاتے، ناچتے کو دتے رحا کریں۔ ایسی مثالوں سے یہ داستان بھری پڑی ہے۔ انشا نے تصنع، تکف اور عبارت آرائی سے تو پرہیز کیا ہے لیکن کہیں مرصع عبارت اور قافیے کا اہتمام کیا ہے جیسا کہ اس زمانے کا طریقہ تھا۔ بطور مثال ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

”تمہارے ما، باپ سے کہہ کروہ بھجوٹ کو جو مو انگوڑا بھوت، مچندر کا پوت، ابدھوت دے گیا ہے۔ صاتھ مڑوڑا کے چھنواں لوں گی۔“

”وہ دونوں بھوؤں کی کھچاوٹ اور پتیلوں میں لاج کی سماوٹ اور نوکیلی پلکوں کی رونداھٹ اور ھنسی کی لگاؤٹ دنتریوں میں مسی کی اوادھ اور اتنی بات پروکاؤٹ سے ناک اور تیوری چڑھالینا اور سہیلیوں کو گالیاں دینا اور چلنا اور ہر بنیوں کے روپ سے کرچھالیں مار کر پڑے اور چھلانا، کچھ کہنے میں نہیں آتا۔“

غرض کہ ”رانی کیتکی کی کہانی“ اپنے قصے اور قدامت کے ساتھ ساتھ لسانی اعتبار سے بھی اردو کی ایک اہم داستان تسلیم کی جاتی ہے۔

کتاب ”رانی کیتکی کی کہانی“، کو طلبہ کی ضرورت کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ ہندا داستان کے متن کے تعلق سے علمی اور لسانی گفتگو کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ اپنی نصابی ضرورت کے مذکور اس داستان کی بنیادی خصوصیت اور اہمیت سے کماحتہ واقف ہو جائیں۔ داستان کے متن کو اس کی اصل شکل میں قائم رکھنے کی حتی الامکان سعی کی گئی ہے اور آخر میں فرہنگ شامل کر کے مشکل الفاظ کے معنی دے دیے گئے ہیں۔

چھپرا بھائی، جس کا بیاہ اوسی کے گھر میں ہوا، اوس کی سرت مجھے لگی رہتی ہے، ہر گھر میں پھول اپنے آپ میں نہیں سما تا اور جتنے اون کے لڑکے بالے ہیں انھیں کی یہاں پر چاہ ہے اور کوئی ہو، کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا، مجھے اس گھرانے کے چھٹ، کسی لے بھاگ، اوچک، چور، ٹھگ، سے کیا پڑی؟ جیتے مرتے انھیں سبھوں کا آمر اور اون کے گھرانے کا رکھتا ہوں بتیسوں گھری۔

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندی چھٹ اور کسی بولی کی پٹٹ نہ ملے، تب جاکے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اوس کے بیچ میں نہ ہو۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھ، پرانے ڈھرانے ڈاگ، بڑھے گھاگ، یہ کھڑاگ لائے، سرھلا کر مونجھ تھتھا کر، ناک بھوں چڑھا کر، آنکھیں پھرا کر لگے کہنے: ”یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا پانہ ٹھونس جائے جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں جیوں کا تیوں وہی سب ڈول رہے اور چھانہ کسی کی نہ دے یہ نہیں ہونے کا“، میں نے اون کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹھوکا کھا کر جھنجھلا کر کہا: ”میں کچھ ایسا بڑھ بولا نہیں جوارائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹھج بول کے اوٹکیاں نچاؤں اور بے سری بے ٹھکانے کی اوچھی سلچھی تا نیں لے جاؤں جو مجھ سے نہ ہو سکتا، تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ہوتا، اس بکھیرے کو ظلتا، اس کہانی کا کہنے والا یہاں آپ کو جلتا ہے اور جیسا کچھ لوگ اوسے پکارتے ہیں کہہ سنا تا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحيم

یہ وہ کہانی ہے جس میں ہندی چھٹ
کسی اور بولی کا نہ میل ہے نہ پٹ
سر جھکا کرنا کر گڑتا ہوں، اوس اپنے بنانے والے کے سامنے جس نے
ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ کر دکھایا جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔ دوھا اپنی بولی
کا:

آتیاں جاتیاں جو سانسیں ہیں
اُسکے بن دھیان سب یہ پھانسیں ہیں
یہ کل کا پتلا جو اپنے اس کھلاڑی کی سدھر کے، تو کھٹائی میں کیوں پڑے،
اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اوس پھل کی مٹھائی چکھے جو بڑوں سے بڑے الگوں نے چکھی
ہے۔ دوھا اپنی بولی کا:

دیکھنے کو تو آنکھیں دیں اور سننے کو یہ کان دیے
ناک بھی اوپنی سب میں کر دی مرتوں کو جی دان دیے
مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں، جوں اپنے کمحار کے کرت پچھتاڑ سکے۔
چھ ہے جو بنایا ہوا ہو، سو اپنے بنانے والے کو کیا سراہے، اور کیا کہے! یوں جس کا جی
چاہے پڑا بکے۔ سر سے لگا پانوں تک جتنے رو نگٹے ہیں جو سب کے سب بول انھیں اور
سراہا کریں اور اتنے برسوں اسی دھیان میں رھیں جتنی ساری ندیوں میں ریت اور
پھول پھلیاں کھیت میں ہیں، تو بھی کچھ نہ ہو سکے، کراہا کریں۔

اس سر جھکانے کے ساتھ ہی دن رات جپتا ہوں اپنے اس داتا کے بھیجے
ھوئے پیارے کو جس کے لیے یوں کہا ہے: ”جو تو نہ ہوتا، تو میں کچھ نہ بناتا، اور اس کا

تو اوس کا جی لوٹ پوٹ ہوا۔ اوس ہرمنی کے پیچھے سب کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا۔ بھلا کوئی گھوڑا اوس کو پاسکلتا تھا؟ جب سورج چھپ گیا اور ہرمنی آنکھوں سے اوچھل ہوئی، تب تو یہ کنوراودے بھان بھوکھا، پیاسا، اونیدا، مجھاتا، انگڑا یاں لیتا، ہکابکا ہو کے لگا آسرا ڈھوڈھنے۔ اتنے میں کچھ ایک امریاں دھیان چڑھیں۔ اودھر چل نکلا تو کیا دیکھتا ہے، جو چالیس پچاس رنڈیاں، ایک سے ایک جوبن میں اگلی جھولادا لے ہوئے پڑی جھول رہی ہیں۔ اور ساون گاتیاں ہیں! جوانخوں نے اس کو دیکھا ”تو کون؟ تو کون؟ کر چنگھاڑتی پڑگئی۔ اون سبھوں میں سے ایک کے ساتھ اس کی آنکھاڑگئی۔ دوھا اپنی بوئی کا:

کوئی کہتی تھی : ”یہ او چکا ہے“
کوئی کہتی تھی : ”ایک پکا ہے“

وہی جھولنے والی لال جوڑا پہنے ہوئے جس کو سب رانی کیتکی کہتے تھے۔ اوس کے بھی جی میں اُس کی چاہ نے گھر کیا پر کہنے سننے کو بہت سی ناہ نوہ کی اور کہا: ”اس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں؟ ہک نہ ہک جوت جھٹ سے ٹپک پڑے، یہ نہ جانا جو یہاں رنڈیاں اپنی جھول رہی ہیں؟ اب تم جو اس روپ کے ساتھ بیدھڑک چلے آئے ہو، ٹھنڈی ٹھنڈی چھانہ چلے جاؤ۔“

تب کنور نے مسوں کے مولا کھا کے کہا: ”اتنی رکھائیاں نہیں، میں سارے دن کا تھکا ہوا، ایک پیڑی کی چھانہ میں اوس کا بچاؤ کر کے پڑ رھوں گا۔ بڑے تڑ کے دھوندھلکے میں اوٹھ کر جدھر کو مونہ پڑے گا چلا جاؤں گا، کچھ کسی کا، لیتا دیتا نہیں۔ ایک ہرمنی کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا تھا جب تک او جیلا رہا، اوسی کے دھیان میں تھا۔ جب اندر ہیرا چھا گیا اور جی بہت گھبرا گیا، ان امریوں کا آسرا ڈھونڈھ کر یہاں چلا آیا ہوں۔ کچھ روک ٹوک تو نہ تھی، جو ماتھا ٹھنک جاتا اور رک رہتا۔ سر اوٹھائے ہانپتا ہوا چلا آیا، کیا جانتا تھا جو پرمنیاں یہاں پڑی جھوٹی پینگلیں چڑھا رہی

دہنا ہاتھ مونہ پر پچھیر کے آپ کو جاتا ہوں، جو میرے داتا نے چاہا، تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کوڈ پچاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں، جو دیکھتے ہی آپ کے دھیان کا گھوڑا، جو بجلی سے بھی بہت چنپل، اچپلا ہٹ میں ہے، ہرنوں کے روپ میں اپنی چوکڑی بھول جائے چھوٹا نکلے:

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں
کرتب جو ہیں سو سب دکھاتا ہوں میں
اوہ چاہنے والے نے جو چاہا، تو ابھی
کہتا جو کچھ ہوں کر دکھاتا ہوں میں
اب آپ کان رکھ کے آنکھیں ملا کے سمنکھ ہو کے، ملک ادھر دیکھیے، کس
ڈھب سے بڑھ چلتا ہوں اور اپنے ان پھول کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں سے کس کس روپ
کے پھول اوگلتا ہوں۔

کہانی کے جوبن کا او بھار اور بول چال کی دھن کا سنگھار

کسی دلیں میں کسی راجا کے گھر ایک بیٹا تھا۔ اوسے اوس کے ما، باپ اور سب گھر کے لوگ کنوراودے بھان کر کے پکارتے تھے۔ سچ مجھ اوس کے جوبن کی جوت میں سورج کی ایک سوت آملی تھی۔ اوس کا اچھا پن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آ سکے۔ پندرہ برس بھر کے اوئے سولھوے میں پاؤں رکھا تھا۔ کچھ یوں ہیں سی اس کی میں بھیگتی چلیں تھیں اکڑتکڑ، اوس میں بہت سی سماں ہی تھی، کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ پر کسی بات کی لوچ کا گھر گھاٹ پایا نہ تھا اور چاہ کی ندی کا پاٹ اوئے دیکھانے تھا۔ ایک دن ہریاںی، دیکھنے کو اپنے گھوڑے پر چڑھ کے اپنے اوسی اٹھکھیل اور اڑھ پن کے ساتھ دیکھتا چلا جاتا تھا۔ اتنے میں ایک ہرمنی جو اوس کے سامنے آئی

چاپ بیٹھے تھے، پر مدن بان دونوں کو گدگدار ہی تھی۔ ہوتے ہوتے اپنی اپنی بیتی سب نے کھولی۔ رانی کا بتایہ کھلا：“راجا جگت پرکاش کی بیٹی ہیں اور ان کی ما، رانی کام لتا کھلاتی ہیں۔ ایک مہینے پہچھے ان کو ماں باپ نے ان کے کہہ دیا ہے امریوں میں جا کے جھول آیا کرو۔ سو آج وہی دن تھا جو تم سے مست بھیڑ ہو گئی۔ بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں پر کسی پر ان کا دھیان نہ چڑھا۔ تمہارے دھن بھاگ، جو تمہارے پاس سب سے چھپ کے، میں جوان کی لڑکیں کی گوئیاں ہوں، مجھے ساتھ اپنے لے کے آئیں ہیں۔ اب تم اپنی کہانی کہو جو تم کس دلیں کے کون ہو؟

انھوں نے کہا：“میرا باب راجا سورج بھان اور ما، رانی چھمی باس ہے۔ آپس میں جو گھٹ جوڑا ہو جائے تو انوکھی اچرخ اور اچنہبے کی بات نہیں۔ یوں ہیں آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔

جبیسا مونہ ولی ی تپھیر، جوڑ توڑ اور ٹول لیتے ہیں۔ دونوں مہاراجوں کو یہ چت چاہی بات اچھی لگے گی، پر حکم دونوں کے جی کا گھٹ جوڑ اچا ہے۔ اس میں مدن بان بول اوٹھی سوتھوا۔ اب اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کر لادور آپس میں لکھوٹیں ابھی لکھ دو۔ پھر کچھ پھر مندر ہے۔

کنوراودے بھان نے اپنی انگوٹھی رانی کیتکی کو پہنادی اور رانی کیتکی نے اپنی انگوٹھی کنور کی انگلی میں ڈال دی اور ایک دھیمی سی چکنی بھی لے لی۔ اس میں مدن بان بول اوٹھی ”جو سچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی، استا بڑھ چلانا اچھا نہیں۔ میرے سرچوٹ ہے اب اوٹھ چلو اور ان کو سونے دے اور روئیں تو پڑے رونے دو۔“

بات چیت تو ٹھیک ٹھاک ہو چکی (تھی) پچھلے پہر سے رانی تو اپنی سہیلیوں کو لیکے جدھر سے آئی تھی اودھر چلی گئی اور کنوراودے بھان اپنے گھوڑے کی پیٹھ لگ کر اپنے لوگوں سے مل کر اپنے گھر پہنچے۔ کنور جی کا انوپ روپ کیا کہوں۔ کچھ کہنے میں نہیں آتا نہ

ہیں۔ پر یوں بدی تھی برسوں میں بھی جھولا کروں گا۔“

یہ بات سن کر وہ جوال جوڑے والی سب کی سردھری تھی اوتے کہا：“نه جی بولیاں ٹھولیاں نہ مارو، ان کو کہہ دو جہاں جی چاہے اپنے پڑھیں۔ اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں سوانحیں پہنچا دو۔ گھر آئے کوئی نے آج تک مارنہیں ڈالا۔ ان کے مونہ کا ڈول، گال تتمتائے اور ہونٹھ پڑپڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا اور گھبراہٹ اور قھر تھراہٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا، اور ٹھہرال ہو کر گرے پڑنا ان کو سچا کرتا ہے؟ بات بنائی ہوئی اور پچھوٹی کی کوئی چھپتی ہے۔ پر ہمارے اور ان کے بیچ میں کچھ اوس سی کسی کپڑے لئے کی کردو۔“

اتنا آسر اپا کے سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودھے سے تھے، اون کی چھانہ میں کنوراودے بھان نے اپنا بچھونا کیا اور کچھ سرہانے دھر کے چاہتا تھا سورھے، پر نیند کوئی چاہت کی لگاٹ میں آتی تھی؟ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں کیا ہوتا ہے جورات سائیں سائیں بولنے لگتی ہے اور ساتھ والیاں سب سورھتی ہیں۔ رانی کیتکی اپنی سیمی مدن بان کو جکا کر یوں کہتی ہے۔ ”اری او، تو نے کچھ سنا بھی، میرا جی اوس پر آگیا اور کسی ڈول سے نہیں ختم سکتا۔ تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ہے، اب جو ہونی ہو سو ہو، سر رہتا ہے، جاتا جائے، میں اوس کے پاس جاتی ہوں۔ تو میرے ساتھ چل، پر تیرے پانوں پڑتی ہوں، کوئی سئے نہ پائے اری یہ میرا جوڑا میرے اور اوس کے بنانے والے نے ملا دیا میں اسی لیے جیسے ان امریوں میں آئی تھی۔

رانی کیتکی، مدن بان کا ہاتھ کپڑے وھاں آپہو نجتی ہے، جہاں کنور اودے بھان لیٹے ہوئے کچھ سوچ میں پڑے پڑے بڑھ بڑھ رہے تھے۔ مدن بان آگے بڑھ کے کہنے لگی تھیں اکیلا جان کے رانی جی آپ آئی ہیں۔ کنوراودے بھان یہ سن کر اوٹھ بیٹھے اور یہ کہا：“کیوں نہ ہو؟ جی کو جی سے ملا پ ہے”， کنور اور رانی تو دونوں چپ

چاہ کے ھاتھوں کسی کو سکھ نہیں
ھے بھلا وہ کون جس کو دکھ نہیں
وہ اس دن جو میں ھریالی دیکھنے کو گیا تھا وھاں جو میرے سامنے ایک ھرنی
کنوتیاں اوڑھائے ھوئے ہوئی تھیں، اوس کے پیچھے میں نے گھوڑا بگ پچھٹ پھینکا تھا۔
جب تک اوجیالی رہی اوسی کی دھن میں بھٹکا کیا، جب اندر ھیرا ھو گیا اور سورج ڈوبا، تب
جی میرا بہت اوپھا۔ سہانی سی امریاں تاک کے میں اون میں گیا، تو اون امریوں کا پتلتا
میرے جی کا گاھک ہوا۔ وھاں کا یہ سوھلا ہے، پچھرندیاں جھولو ڈالے جھوول رہی
تھیں۔ اون سب کی سر دھری کوئی رانی کیتکی، مہاراجا جگت پر کاش کی بیٹی ہیں۔
انھوں نے یہ انگوٹھی اپنی مجھے دی اور میری انگوٹھی انھوں نے لی اور لکھوٹ بھی لکھ دی۔
سو یہ انگوٹھی اون کی لکھوٹ سمیت میرے لکھے ھوئے کے ساتھ پہنچتی ہے۔ آپ دیکھ
لیجیے اور جس میں بیٹی کا جی رہ جائے وہ تکھی۔

مہاراج اور مہارانی اوس بیٹی کے لکھے ھوئے پرسونے کے پانی سے یوں
لکھتے ہیں: ”دونوں نے اوس انگوٹھی اور لکھوٹ کو اپنے آنکھوں سے ملا۔ اب تم اپنے جی
میں کچھ گڑھو پکو مت۔ جورانی کیتکی کے ما، باپ تمہاری بات مانتے ہیں تو ہمارے
سمدھی اور سمدھن ہیں، دونوں رانچ ایک ھو جائیں گے اور کچھناہ نوہ کی ٹھہرے گی تو جس
ڈول سے بن آوے گا، ڈھال تلوار کے بل تمہاری دلھن، ھم تم سے ملاویں گے۔ آج
سے اوداں مت رہا کرو۔ کھلیو، کو دو، بولو، چالو، انندیں کرو۔ ھم اچھی گھڑی سُسھ مہورت
سوچ کے تمہارے سرال میں کسی بامحسن کو بھیجتے ہیں، جو بات چت چاہی ٹھیک کر
لاوے۔ بامحسن جو سبھ گھڑی دیکھ کے ھڑ بڑی سے گیا تھا، اوس پر بڑی کڑی بڑی۔ سنتے
ہی رانی کیتکی کے باپ نے کہا: ”اون کے ہمارے ناتانہیں ہونے کا۔ اون کے باپ
دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ھاتھ جوڑ کے باتیں کیا کرتے تھے اور ملک جو

کھانا، نہ پینا، نہ لگ چلنا، نہ کسی سے کچھ کہنا، نہ سننا جس دھیان میں تھے اور میں گو تھے رہنا
اور گھڑی گھڑی کچھ کچھ سوچ سوچ سر دھتنا۔

ہوتے ہوتے اس بات کا لوگوں میں چرچا پھیل گیا۔ کسی کسی نے مہاراج
اوہ مہارانی سے بھی کہا۔ ”پچھداراں میں کالا ہے۔ وہ کنوارا دے بھان جس سے تمہارے
گھر کا اجلا ہے، ان دونوں پچھو اوس کے برے تیور اور بے ڈول آنکھیں دکھائی دیتی
ہیں۔ گھر سے باہر تو پانوں نہیں دھرتا گھر والیاں جو کسی ڈول سے بھی بہلاتی ہیں تو
اور کچھ نہیں کرتا، ایک اوپنی سانس لیتا ہے اور جو بہت کسی نے چھیڑا، تو چھپر ھٹ پر
جا کے اپنا مونہ پیٹ کے آٹھ آٹھ آنسو پڑا روتا ہے۔

یہ سنتے ہی ما، باپ دونوں کنور کے پاس دوڑے آئے۔ گلے لگایا، مونہ
چوما، پانوں پر بیٹی کے گر پڑے، ھاتھ جوڑے کہا: ”جو اپنے جی کی بات ہے، سو، کہتے
کیوں نہیں؟ کیا دو کھڑا ہے، جو پڑے پڑے کراحتے ہو؟ راج پاٹ جس کو چاہو دے
ڈالو۔ کہو تو (تم) کیا چاہتے ہو؟ تمہارا جی کیوں نہیں لگتا؟ بھلا، وہ ہے کیا، جو ہوئیں سکتا،
مونہ سے بولو، جی کو کھلوا اور جو کہنے میں کچھ سوچتے ہو، تو ابھی لکھ بھیجو۔ جو کچھ لکھوگے
جیوں کی تیوں وھیں کرنے میں آوے گی۔ جو تم کہو گے کنویں میں گر پڑو، تو ھم دونوں
ابھی کنویں میں گر پڑتے ہیں۔ جو کہو سرکاٹ ڈالو، تو سراپنے ابھی کاٹ ڈالتے ہیں۔

کنورا دھے بھان، وہ جو بولتے ہی نہ تھے، انھوں نے لکھ بھینے کا آسرا
پا کے اتنا بولے: اچھا آپ سدھاریے میں لکھ بھیجتا ہوں۔ پر میرے اوس لکھنے کو میرے
مونہ پر کسی ڈھب سے نہ لانا۔ نہیں تو میں بہت بھیا ڈال گا اسی لیے تو لکھ بات ہو کے میں
نے کچھ نہ کہا۔ اور یہ لکھ بھیجا: ”اب جو میرا جی نتوں میں آگیا اور کسی ڈھب سے نہ رہا
گیا۔ آپ نے مجھے سو سو روپ سے کھولا اور بہت سا ٹھوڑا، تب تو لاج چھوڑ کے ھاتھ
جوڑ کے مونہ کو پھوڑ کے گھکھیا کے لکھتا ہوں۔ دوھا اپنی بولی کا:

بیٹا بیٹی کو کسی پر پلک نہ ماریں اور سر سے کسی کے چپیک نہ دیں تک یہ ایک جی تو کیا جو کروڑ جی جاتے رہیں، کوئی بات ہمیں تو رچتی نہیں، یہ چھپی بیک بھری جو کنور کے جا پہنچتی ہے، اوس پر کئی ایک سونے کے تھال ہیرے موئی، پکھراج کے کھچا چھ بھرے ہوئے چھا ور کر کے لٹا دیتا ہے۔ اور جتنی سے اوس کی بیکلی تھی چونگی پچانی ہو جاتی ہے اور اوس چھپی کو اپنے اوس گورے ڈنڈ پر باندھ لیتا ہے۔

آن جو گی مہندر گر کا کیلاس پہاڑ سے اور ہرن

هر فی کرڈالنا کنوراودے بھان اور اوس کے ما، باپ کا گجت پر کاش اپنے گرو جو کیلاس پہاڑ پر رہتا تھا، یوں لکھ بھیجتا ہے: ”کچھ ہماری سہاے کیجیے۔ مہا کٹھن ہم پتا ماروں کو پڑی ہے۔ راجا سورج بھان کو اب یہاں تک باو بھک نے لیا ہے۔ جوانخوں نے ہم سے مہاراجوں سے ناتے کا ڈول کیا ہے“ کیلاس پہاڑ اکٹال چاندی کا ہے۔ اس پر راجا گجت پر کاش کا گرو، مہندر گر جس کو اندر لوک کے سب لوگ کہتے تھے۔ دھیان گیان میں کوئی نوے لاکھ اتنیوں کے ساتھ ٹھاکر کے بھجن میں دن رات رہا کرتا تھا۔ سونا، روپا، تانبے، رانگ کا بنا نا تو کیا، اور گلکامونہ میں لیکے اوڑنا ورے رہے۔ اوس کو اور اور باتیں اس اس ڈھب کی دھیان میں تھیں جو کہنے سننے سے باہر ہیں۔ مینہ سونے روپے کا بر ساد دینا، اور جس روپ میں چاہنا ہو جانا، سب کچھ اوس کے آگے ایک کھیل تھا۔ اور گانے میں اور بین بجائے میں مہاد یو چھٹ، سب اُسکے آگے کان پکڑتے تھے۔ سرستی جس کو ہندو کہتے ہیں (آدھنگتی) اونے بھی اسی سے کچھ گنگنا ناسیکھا تھا۔ اوس کے سامنے چھ راگ، چھتیں را گنیاں آٹھ پھر روپ بندھوں کا

تیوری چڑھی دیکھتے تھے بہت ڈرتے تھے۔ کیا ہوا جواب وہ بڑھ گئے اور اونچے پر چڑھ گئے؟ جس کے ماتھے ہم بائیں پانوں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگاویں وہ مہاراجوں کا راجا ہو جاوے۔ کس کا مونہ جو یہ بات ہمارے مونہ پر لائے، بامُھن نے جل بھن کے کہا: اگلے بھی ایسی ہمی کچھ بچارے ہوئے ہیں اور بھری سبھا میں یہی کہتے تھے ہم میں، اور میں کچھ گوت کی تو میل نہیں ہے، پر کنور کی ہٹ سے کچھ ہماری نہیں چلتی، نہیں تو ایسی اوچھی بات کہ ہمارے مونہ سے نکلتی؟ یہ سنتے ہی اوس مہاراج نے اوس بامُھن کے سر پر پھولوں کی چھڑی پھینک ماری اور کہا: ”جو بامُھن کے حصیا کا دھڑکا نہ ہوتا، تو تجھ کو ابھی پچھلی میں ڈالوادالتا۔ اس کو لے جاؤ اور ایک اندر ہری کوٹھری میں موند رکھو“۔ جو اس بامُھن پر بیتی، سوب کنوراودے بھان کے ما، باپ نے سنتے ہمی لڑنے کی ٹھان، اپنا ٹھاٹھ باندھ کر دل بادل جیسے گھر آتے ہیں، چڑھ آیا، جب دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہونے لگی، رانی کیتکی ساون بھادوں کے روپ سے رونے لگی، اور دونوں کے جی پر یہ آگئی: ”یہ کیسی چاہت ہے، جس میں لوہو برنسے لگا اور اچھی باتوں کو ترسنے لگا؟“ کنور نے چپکے سے یہ لکھ بھیجا: ”اب میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو، کسی ڈول سے جو ہو سکے، تو تم مجھے اپنے پاس بلا لو ہم تم دونوں مل کے کسی اور دلیں کو نکل چلیں۔ جو ہونی ہو سو ہو۔ سر رہتار ہے، جاتا جائے“۔ ایک مالن جس کو پھول کلی کر سب پکارتے تھے، اونے اوس کنور کی چھپی کسی پھول پنچھری میں لپیٹ سپیٹ کے رانی کیتکی تک پہنچا دی۔ رانی نے اوس چھپی سے آنکھیں اپنی ملیں اور مالن کو ایک تھال بھر کے موئی دیے اور اوس چھپی کی پیٹھ پر اپنے مونہ کی پیک سے یہ لکھا: ”اے میرے جی کے گاہک، جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کوؤں کو دے ڈالے تو بھی میری آنکھوں چین لکیجے سکھ ہو، پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں، اس میں ایک باپ دادے کو چٹ لگ جاتی ہے۔ اور جب تک ما، باپ جیسا کچھ ہوتا چلا آیا ہے، اوئی ڈول سے

سب کو رکھ لیا۔ جو آج آپ نہ آپ ہو نچتے تو کیا رہا تھا۔ سب نے مرٹنے کی ٹھان لی تھی۔ ان پاپیوں سے کچھ نہ چلے گی یہ جان لی تھی۔ راجا جٹ سب ہمارا آپ نچادر کر کے جس کو چاہیے دے ڈالیے۔ ہم سب کو انتیت بنائے اپنے ساتھ لے لجیے، راج ہم سے نہیں تھم سلتا۔ سورج بھان کے ہاتھ سے آپ نے بچایا۔ کوئی اون کا بچا چند رہا جان چڑھا وے گا، تو کیونکر بچنا ہوگا؟ اپنے آپ میں تو سکت نہیں پھرا لیے راج کا پھٹے مونہ کہاں تک آپ کو ستایا کریں گے۔ ”یسن کرجو گی مہندر گرنے کاہما: تم سب ہمارے بیٹا ہی ہو، اندر میں کرو، دندناو، سکھ چین سے رہو، ایسا وہ کون ہے جو تمہیں آنکھ بھر کر اور ڈھب سے دیکھ سکے؟ یہ بکھر اور یہ بھحوت ہم نے تمہیں دیا آگے جو کچھ ایسی گاڑھ پڑے، تو اس بکھر میں سے ایک روکنلا توڑ کر آگ پر دھر کے پھونک دیجو وہ روکنلا پھونکنے نہ پاوے گا جو ہم آن پھو نچیں گے۔ رہا بھحوت سواں لیے ہے، جو کوئی چاہے جب اسے آنجن کرے وہ سب کچھ دیکھے اور اسے کوئی نہ دیکھے۔ جو چاہے کرے گروہندر گر، جن کے پانو پوچھیے اور ہم مہاراج کہیے، اون سے تو کچھ چھپاونہ تھا مہاراجا جگت پر کاش اون کو مورچھل کرتے ہوئے رانیوں کے پاس لے گئے۔ سونے روپے کے پھول (ہیرے موتی) گود بھر بھر سب نے نچادر کیے اور ماتھے رکڑے۔ اونھوں نے سب کی پیٹھیں ٹھوکیں۔ رانی کیتکی نے بھی ڈنڈوت کی، پر جی جی میں بہت سی گرو جی کو گالیاں دیں۔ گرو جی سات دن سات راتیں یہاں رہ کے راجا جگت پر کاش کو سنگاں پر بٹھا کے اپنے اس بکھر پر بیٹھ اوسی ڈول سے کیلاس پہاڑ پر آ دھمکے، راجا جگت پر کاش اپنے الگ سے ڈھب راج کرنے لگے۔

садھرے ہوئے اوس کی سیوا میں ہاتھ جوڑے، کھڑی رہتی تھیں وہاں اتنیوں کو یہ کہہ کر پکارتے تھے۔ بھیروں، گر، بھجھاں، گر، ہندوں، گر، میلگھ ناتھ، کدار ناتھ، دیپ داں، جو تی سروپ، سارنگ روپ اور اتنینیاں اس ڈھب سے کھلاتی تھیں: گوجری، ٹوڑی اساؤری، گوری، ماسری، بالاوی، جب چاہتا تھا ادھر سنگاں پر بیٹھ کے اوڑا نے بھرتا تھا، اور نوے لاکھ اتنیت گلکے اپنے منہ لیے ہوئے گیرے بستر پنے جٹا بھیرے اوس کے ساتھ ہوتے تھے۔ جس گھڑی راجا جگت پر کاش کی چھٹی ایک گولا لے پھو نچتا ہے، جو مہندر، گر ایک چنگھاڑا مار کے دل بادلوں کو تھلا کا دیتا ہے۔ بکھر پر بیٹھ بھوت اپنے منہ کو مل کچھ کچھ پڑھفت کرتا ہوا باد کے گھوڑے کی پیٹھ لا گا اور سب اتنیت مرگ چھالوں پر بیٹھے ہوئے گلکے منہ میں لیے ہوئے بول اوٹھے ”گورکھ جا گا“، ایک آنکھ کی جھپک میں وہاں آپ ہو نچتا ہے۔ جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ پہلے تو ایک کالی آندھی آئی، پھر اولے بر سے، پھر ایک ڈنڈی آئی، کسی کو اپنی سدھنہ رہی۔ ہاتھی گھوڑے اور جتنے لوگ اور بھیڑ بھاڑ راجا سورج بھان کی تھی، کچھ نہ سمجھا گیا کدھر گئی، اونھیں کون اٹھا لے گیا اور راجا جگت پر کاش کے لوگوں پر اور رانی کیتکی کے لوگوں پر کیوڑے کی بوندوں کی نہیں نہیں پھاڑی پڑنے لگی۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو گرو جی نے اپنے اتنیوں سے کہہ دیا: ”اودے بھان، سورج بھان، پچھی باس ان تینوں کو ہرمن ہرمنی بنائے کسی بن میں چھوڑ دو، اور جوان کے ساتھی ہوں اون سمجھوں کو توڑ پھوڑ دو“، جیسا کچھ گرو جی نے کہا جھٹ پٹ اور اوس بھیڑ بھر گئے کا تو کچھ تھل بیڑاں ملا جو کدھر گئی اور کہاں تھی۔ یہاں کی بیہیں رہنے دو، پھر سینیواب رانی کیتکی کی بات اور مہاراجا جگت پر کاش کی سینے اون کے گھر کا گھر گرو جی کے پانو پر گرا اور سب نے سر جھکا کر کہا: ”مہاراج یا آپ نے بڑا کام کیا۔ ہم

رانی کیتکی کامدن بان کے آگے رونا اور پچھلی باتوں کا دھیان کر کے جی سے ہاتھ دھونا اپنی بولی کے دھنوں میں

جس کا جو روپ تھا وہی ہے
کیوں کر انھیں بھولوں، کیا کروں میں؟
ما باپ سے کب تک ڈروں میں؟
اب میں نے سنا ہے اے مدن بان
بن بن کے ہرن ہوے اودے بھان
چلتے ہوں گے ہری ہری دوب
کچھ تو بھی پسچ، سوچ میں ڈوب
میں اپنی گئی ہوں چوکڑی بھول
مت مجھ کو سنگھا یہ ڈھڈھے پھول
پھولوں کو اٹھا کے یہاں سے لے جا
سو ٹکڑے میرا ہوا کیجا
بکھرے جی کو نہ کر اکٹھا
اک گھاس کا لاکے رکھ دے پٹھا
ہریالی اوی کی دیکھ لوں میں
کچھ اور تو تنگو کیا کھوں میں
ان آنکھوں میں ہے بھڑک ہرن کی
پلکیں ہوئیں جیسی گھاس بن کی
جب دیکھیے ڈبدبا رہی ہیں
اویں آنسوں کی چھا رہی ہیں
یہ بات جو جی میں گڑ گئی ہے
ایک اوس سے مجھ پڑ گئی ہے

رانی کو بہت سی بے کلی تھی
کب سوچتی کچھ بری بھلی تھی
چپکے چپکے کراحتی تھی
جینا اپنا نہ چاہتی تھی
کہتی تھی کبھی : ”اری مدن بان
ھے آٹھ پھر مجھے وہی دھیان
یاں پیاس کسے بھلا کسے بھوکھ
دیکھوں ہوں وہی ہرے ہرے روکھ
ٹپکے گا ڈر ہے اب یہ کہیے
چاہت کا گھر ہے اب یہ کہیے
امریوں میں اون کا وہ اترنا
اور رات کا سائیں سائیں کرنا
اور چپکے سے اوٹھ کے میرا جانا
اور تیری وہ چاہ کا جانا
اون کی وہ اوتار انگوٹھی لینی
اور اپنی انگوٹھی اون کو دینی
آنکھوں میں میری وہ پھر رہی ہے

ڈبیا میں سے تھوڑا سا بھبوتو دیا۔ کئی دن تک آنکھ مچول اپنے ما، باپ کے سامنے سہیلیوں کے ساتھ کھلیتی، سب کو حسناً تھی۔ جو سو تھال موتیوں کے نچاہو رہوا کیے کیا کہوں ایک چھل تھی جو کہیے تو کروڑوں پوچھیوں میں جیوں کی تیوں نہ آ سکے۔

رانی کیتکی کا چاہت سے بیکل ہوا پھرنا اور مدن بان کا ساتھ دینے سے نہیں کرنا

ایک رات رانی کیتکی اوسی دھیان میں اپنے مدن بان سے کہہ اٹھی: ”اب میں نگوڑی لاج سے گست کرتی ہوں۔ تو میرا ساتھ دے“، مدن بان نے کہا: کیوں کر؟“ رانی کیتکی نے وہ بھجوتو کالینا سے جتا اور یہ سنایا: ”سب یہ آنکھ مچول کی چھلیں میں نے اسی دن کے لیے کر رکھی تھیں۔“ مدن بان بولی: ”میرا لکھا قدر تھرانے لگا۔ اے یہ مانا جو تم اپنی آنکھوں میں اس بھجوتو کا انجن کر لوگی اور میرے بھی لگا دوگی، تو ہمیں تمہیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے پر ایسے ہم کہاں کے جی چلے ہیں جو بن لیے جو بن ساتھ پڑے بھٹکا کریں اور ہرنوں کی سینتوں میں دونوں ساتھ ڈال کے لٹکا کریں۔ اور جس کے لیے یہ سب کچھ ہے سوہہ کہاں؟ اور ہو تو کیا جانے جو یہ رانی کیتکی جی اور یہ مدن بان نگوڑی نوچی کھسوئی اون کی سیلی ہے۔ چھوٹے اور بھاڑ میں جائے یہ چاہت جس کے لیے ما، باپ، راج پاٹ، سکھ، نیند، لاج کو چھوڑ کرندیوں کے کچھاروں میں پھرنا پڑے! سوبھی بے ڈول۔ جو اپنے روپ میں ہوتے تو بھلا کچھ تھوڑا بہت آسرا تھا۔ نہ جی، یہ ہم سے نہ ہو سکے گا جو مہاراج جگت پر کاش اور مہارانی کا ملتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اجڑیں اور بہکا کے اون کی بیٹی، جو اکلوتی لاڈی ہے اوس کو لے جاویں اور جہاں تھاں اوسے بھٹکاویں اور بناس پتی کھلاویں اور اپنے چونڈے کو

اسی ڈول سے جب اکیلی ہوتی تھی، تب مدن بان کے ساتھ ایسے ہی کچھ موتی پر ہوتی تھی۔

بھجوتو مانگنا رانی کیتکی کا اپنی ما، رانی کا ملتا سے

آنکھ مچول کھلنے کے لیے اور روٹھر رہنا، اور راجا جگت پر کاش کا بلانا اور پیار سے کچھ کچھ کہنا اور وہ بھجوتو دینا۔

ایک رات رانی کیتکی نے اپنی مارانی کا ملتا کو بھلاوے میں ڈال کے یہ پوچھا ”گرو جی گسا تیں مہندر گرنے جو بھجوتو میرے باپ کو دیا تھا وہ کہاں رکھا ہوا ہے اور اوس سے کیا ہوتا ہے؟ اوس کی ماں نے کہا: ”میں تیرے واری! تو کیوں پوچھتی ہے؟ رانی کیتکی کہنے لگی: ”آنکھ مچول کھلنے کے لیے چاہتی ہوں جب اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلیوں اور چور بنوں تو کوئی مجبو کپڑہ نہ سکے“۔ رانی کا ملتا نے کہا: ”وہ کھلنے کے لیے نہیں ہے۔ ایسے لٹکے کسی برے دن کے سمبھال کو ڈال رکھتے ہیں۔ کیا جانے، کوئی گھڑی کیسی ہے، کیسی نہیں۔ رانی کیتکی اپنی ما، کی اس بات سے اپنا مونہ تھھا کے اوٹھ گئی اور دن بھر کھانا نہ کھایا۔ مہاراج نے جو بلا یا، تو کہا مجھے رُچ نہیں۔ تب رانی کا ملتا بول اٹھیں۔ ”اچی، تم نے کچھ سنا بھی یا نہیں بیٹی تمہاری آنکھ مچول کھلنے کے لیے وہ بھجوتو گرو جی کا دیا ہوا مانگتی تھی۔ میں نے نہ دیا اور کہا: ”لڑکی یہ لڑکن کی باتیں اچھی نہیں۔ کسی برے دن کے لیے گرو جی دے گئے ہیں۔ اسی پر مجھ سے روٹھی ہے۔ بہترابہلاتی پھسلاتی ہوں، مانتی نہیں“۔ مہاراج نے کہا: ”بھجوتو کیا مجھے تو اپنا جی بھی اوس سے پیار نہیں۔ اوس کے ایک گھڑی بھر کے بہل جانے پر ایک جی تو کیا جولا کھجی ہوں تو دے ڈالیے رانی کیتکی کو

اور مہارانی کام لاراج پاٹ سب کچھ اس بروگ میں چھوڑ چھاڑ ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور کسی کو اپنے لوگوں میں سے راج تھامنے کے لیے چھوڑ گئے۔ تب مدن بان نے وہ سب با تین کھولیاں رانی کیتکی کے ما، باپ نے یہ کہا، اری مدن بان جو تو بھی اون کے ساتھ ہوتی تو کچھ ہمارا جی ٹھہر تا ب جودہ تجھے لے جائیں تو تو کچھ بچر پھر نہ کیجیو اون کے ساتھ ہو لیجیو جتنا بھجھوت ہے، تو اپنے پاس رکھ۔ ہم کیا اس را کھو چولے میں ڈالیں گے؟ گرو جی نے تو دونوں راحوں کا کھونج کھویا کنور اودے بھان اور اس کے ما، باپ ووں ٹھور رہے اور ہلگت پر کاش اور کام لتا کو یوں تلپٹ کیا۔ بھجھوت نہ ہوتا تو یہ با تین کا ہے کو سامنے آتیں۔ (ندان) مدن بان بھی اون کے ڈھونڈنے کو نکلی، آنجن لگا یے ہوئے رانی کیتکی، رانی کیتکی کہتی چلی جاتی۔ بہت دنوں پیچے کہیں رانی کیتکی بھی ہرنوں کی ڈاروں میں اودے بھان، اودے بھان چنگناڑتی ہوئی آنکلی جو ایک نے ایک کوتاڑ کر یوں پکارا：“اپنی اپنی آنکھیں ڈھوڑو لا،”۔ ایک ڈیرے پر بیٹھ کر دنوں کی مت بھیڑ ہوئی، لگلے کے ایک روئیاں جو پہاڑوں میں کوک سی پڑ گئی:

دوھا اپنی بولی کا:

چھا گئی ٹھنڈی سانس جھاڑوں میں

پڑ گئی کوک سی پہاڑوں میں

دونوں جنیا ایک ٹیلے پر اچھی سی چھانہ تاڑ کے آیٹھیاں اپنی اپنی با تین دوھر انگلیں۔

بات چیت مدن بان کی رانی کیتکی کے ساتھ

رانی کیتکی نے اپنی بیتی سب کہی اور مدن بان وہی اگلا جھینکنا جھینکنا کی اور اون کے باپ نے اون کے لیے جو جوگ سادھا اور جو بروگ لیا تھا سب کہا۔ جب مدن بان یہ سب کچھ

ھلاویں۔ اے جی اوس دن تمہیں یہ بوجھنے آئی تھی۔ جب تمہارے اور اس کے ما، باپ میں اڑائی ہو رہی تھی، اونے اوس مالن کے ہاتھ تمہیں لکھ بھیجا تھا ”بھاگ چلیں؟“ تب تو اپنے منہ کی پیک سے اوس کی چٹھی کی پیٹھ پر جو لکھا تھا سوکیا بھول گئی ہو، تب تو وہ تا وہ بھاؤ دکھایا تھا ب جو وہ کنور اودے بھان اور اون کے ماں باپ تینوں جنے بن بن کے ہرن ہرنی بنے ہوئے کیا جانے کدھر ہونگے کہ اون کے دھیان پر وہ کر بیٹھے جو کسی نے تمہارے گھر ان بھر میں نہیں کی۔ اس بات پر امال ڈال دو، نہیں تو بہت پچھتا وہی اور اپنا کیا پاؤ گی۔ مجھ سے تو کچھ نہ ہو سکے گا۔ تمہاری کچھ اچھی بیٹھوتی تو جیتے جی میرے مومنہ سے نہ لکھتی پر یہ بات میرے پیٹ میں نہیں پچھکتی۔ تم ابھی اٹھر ہو تم نے کچھ دیکھا نہیں۔ جو اسی بات پر سچھی تمہیں ڈھلادیکھوں گی تو تمہارے ما، باپ سے کہہ کر وہ بھجھوت کو جو مو انگوڑا بھجھوت، مجھندر کا پوت، ابدھوت دے گیا ہے۔ ہاتھ مرڑوا کے چھنوا لوں گی۔ رانی کیتکی نے یہ رکھائیاں مدن بان کی سن کھنس کے ٹال دیا اور کہا：“جس کا جی ہاتھ میں نہ ہو، اوسے ایسی لاکھوں سوچتی ہیں پر کہنے اور کرنے سے بہت سا پھیر ہے۔ یہ بھلا کوئی اندھیر ہے جو میں ما، باپ کو چھوڑ ہرنوں کے پیچھے پڑی دوڑتی اور کر چھالیں مارتی پھروں پر اری، تو بڑی باولی چڑیا ہے، جو تو نے یہ بات ٹھیک ٹھاک کر جان لی اور مجھ سے لڑ نے لگی۔“

رانی کیتکی کا بھجھوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے
باہر نکل جانا اور سب چھوٹے بڑوں کا تملنا

دس پندرہ دن پیچھے ایک رات رانی کیتکی بن کہے مدن بان کے، وہ بھجھوت آنکھوں میں لگا کر گھر سے باہر نکل گئی پکھ کہنے میں نہیں آتا جوما، باپ پر ہوئی سب نے یہ بات لہر ادی گرو جی نے کچھ سمجھ کر رانی کیتکی کو اپنے پاس بولا لیا ہوگا۔ مہاراجا جگت پر کاش

گر آپھو نچے اور کچھ یہ نیسا نگ جوگی اور جو گن کا آیا تھا آنکھوں دیکھا۔ سب کو چھاتی سے لگایا اور کہا بکھر تو اسی لیے میں سونپ گیا تھا (کہ) جو تم پر کچھ ہوئے تو اس کا ایک روٹھا پھونک دیجو۔ تمہارے گھر کی یہ گت ہو گئی۔ اب تک تم کیا کر رہے تھے۔ کن نیندوں (میں) سوتے تھے؟ پر تم کیا کرو؟ وہ کھلاڑی جو جوروپ چاہے سودیکھاوے جو جوناچ چاہے سونچاوے۔ بھجوٹ لڑکی کو کیا دینا تھا۔ ہر نہ رُن تو اودے بھان اور سورج بھان اوس کے باپ کو اور کچھ بیس اور اوس کی ما، کو میں نے کیا تھا، میرے آگے پھراون تینوں کو جیسے کا تیسا کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اچھا، ہوئی سو ہوئی اب چلو اٹھو اپنے راج پر براجوار بیاہ کے ٹھاٹھ کرو۔ اب تم اپنی بیٹی کو سمیٹو، کنوراودے بھان کو میں نے اپنا بیٹا کیا اور اوس کو لیکے میں بیاھنے چڑھوں گا۔ مہاراج یہ سنتے ہی اپنے راج کی گدی پر آپ بیٹھے اور اسی گھری کہہ دیا ساری چھتوں کو اور کوٹھوں کو گوئے سے منڈھلو، اور سونے روپے کے روپہلے سنہرے سہرے سب جھاڑ اور پیڑاں پر باندھ دو اور پیڑوں میں موٹی کی لڑیاں گوندھو، اور کہہ دو، چالیس دن چالیس رات تک جس گھر میں ناج آٹھ پھر نہ رہے گا اوس گھر والے سے میں روٹھوں گا اور جانوں گا، یہ میرے دکھ سکھا ساتھی نہیں (اور) چھ مہینے جد کوئی چلنے والا کہیں نہیں ٹھہرے اور رات دن چلا جائے اس ہیر پھیر میں وہ راج تھا سب کہیں یہی ڈول ہو گیا۔

جانا مہاراج اور مہارانی اور گسائیں مہندر گر

کارانی کیتکی کے لینے کے لیے

پھر گرو جی مہاراج اور مہارانی، مدن بان کے ساتھ وھاں آپنے جہاں رانی کیتکی چپ چاپ سون کھینچے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی۔ گرو جی نے رانی کیتکی کو اپنی گود میں لیکے کنوراودے بھان کا چڑھاوا چڑھادیا اور کہا تم اپنے ما، باپ کے ساتھ اپنے گھر سدھارو

کہہ چکل تو پھر ہنسنے لگی۔ رانی کیتکی یہ لگی پڑھنے، دوھے اپنی بولی کے: ہم نہیں ہنسنے سے روکتے جس کا جی چاہے ہنسنے ہے وہی اپنی کہاوت: آ پھنسے جی آ پھنسے اب تو سارا اپنے پیچھے جھگڑا جاننا لگ گیا پانو کا کیا ڈھونڈھتی ہے؟ جی میں کانٹا لگ گیا

مدن بان سے کچھ رانی کیتکی کے آنسو پوچھتے سے چلے اونتے یہ بات ٹھہرائی: جو تم کہیں ٹھہر تو میں تمہارے اون او جڑے ہوئے ما، باپ کو چپ چاپ سیمیں لے آؤں اور اونھیں سے اوس بات کو ٹھہراؤ۔ گسائیں مہندر گر، جس کے یہ سب کرتوت ہیں، وہ بھی اونھیں دونوں او جڑے ہووں کی مٹھی میں ہے۔ اب بھی میرا کہا جو تمہارے دھیان چڑھے تو گئے ہوئے دن پھر پھر سکتے ہیں، پر تمہارے کچھ بھاویں نہیں، ہم کیا پڑے بکتے ہیں۔ میں اس پر بیڑا اوٹھاتی ہوں، بہت دونوں میں رانی کیتکی نے اس پر اچھا کہا اور مدن بان کو اپنے ما، باپ پاں بھیجا اور چٹھی اپنے ھاتھوں سے لکھ بیجی، جو آپ سے کچھ ہو سکے، تو اس جوگی سے یہ ٹھہرا کے آؤں۔

مہاراج اور مہارانی کے پاس مدن بان کا

پھر آنا اور چوت چاہی بات کا سانا

مدن بان رانی کیتکی کو اکیلا چھوڑ کر راجا جگت پر کاش کا اور رانی کام لتا جس پھاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے وھاں چھٹ سے آدیں کر کے آکھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے بیجی آپ کا گھر نئے سر سے بسا اور اپنے ہدن آئے رانی کیتکی کا ایک بال بیکا نہیں ہوا۔ اونھیں کے ھاتھ کی یہ چٹھی لائی ہوں۔ آپ پڑھ لیجئے۔ آگے جو چاہیے سو کیجیے۔ مہاراج نے اسی بکھر میں سے ایک روٹھا توڑ کر آگ پر دھر دیا۔ بات کی بات میں گسائیں مہندر

پہلے شہرے ڈانگ گوند لگا کے چکا دئے اور سبھوں کو کہہ دیا گیا جو سوھی گپڑی اور سوھے باغے بن کوئی کسی ڈول کا کسی روپ سے نہ پھرے چلے اور جتنے گوئے، نچوئے، بھانڈ، بھگتی، رس دھاری اور سلگیت پر ملونا ناپتے ہوں سب کو کہہ دیا، جن جن گانوں میں جہاں جہاں ہوں اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر اچھے اچھے بچوںے بچا بچا کر گاتے بجاتے، دھو میں مچاتے، ناپتے کو دتے رہا کریں۔

ڈھونڈ نا گسائیں مہندر گر کا کنوراودے بھان
اور اوس کے ما، باپ کو اور نہ پانا اور بہت سا تملانا
اور راجا اندر کا اوس کی چٹھی پڑھ کے آنا۔

یہاں کی بات اور چھلیں جو کچھ ہیں سو میں رہنے دو۔ اب آگے یہ سنو۔ جو گی مہندر گر اور اوس کے نوے لاکھا تیتوں نے سارے بن کے بن چھان مارے، ہیں کنوراودے بھان اور اوس کے ما، باپ کا ٹھکانہ نہ لگا، تب ان نے راجا اندر کو چٹھی لکھ چیجی۔ اوس چٹھی میں یہ لکھا ہوا تھا۔ ”ان تینوں جنوں کو میں نے ہرن اور بھرنی کر دالا تھا۔ اب اون کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں، کہیں نہیں ملتے اور میری جتنی سکت تھی اپنے سے کر چکا ہوں۔ اور اب میرے مونھ سے نکلا، کنوراودے بھان میرا بیٹا اور میں اوس کا باپ۔ اوس کی سرمال میں سب بیاہ کے ٹھاٹھ ہو رہے ہیں، اب مجھ پر نپٹ کاڑھ ہے۔ جو تم سے ہو سکے سو کرو۔“

راجا اندر گر و مہندر گر کے دیکھنے کو سب اندر اس سمت آپ آن پھو نختا ہے اور کہتا ہے ”جیسا آپ کا بیٹا تیسا میرا بیٹا۔ آپ کے ساتھ میں سارے اندر لوک کو سمت کر کنوراودے بھان کو بیا حصے چڑھوں گا،“ گسائیں مہندر گر نے راجا اندر سے کہا: ”

اب میں اپنے بیٹے کنوراودے بھان کو لیے ہوئے آتا ہوں۔

گرو جی گسائیں، جن کو ڈنڈوت ہے، سوت ووں سدھارتے ہیں آگے جو ہو گی کہنے میں آؤے گی۔ یہاں کی یہ دھوم دھام اور پھیلا وادھیاں سمجھے۔

مہاراج جگت پر کاش نے اپنے سارے دلیں میں کہایا پکار دیں: ”جو یہ نہ کرے گا اوس کی بُری گت ہو گی۔ گانو گانو میں آمنے سامنے ترپولیے بنانا کے سوھے کپڑے اون پر لگا دو، اور گوٹ دھنک کی اور گوگھرو پہلی سنبھری اور کر نیں اور ڈانگ ٹانگ رکھو، اور جتنے بڑھ، پیپل کے پرانے پرانے پیڑ جہاں جہاں ہوں اون پر گوٹے کے پھولوں کے سہرے بڑے بڑے ایسے جس میں سر سے لگا جڑ تک اون کی تھلک اور جھلک پھو پچے باندھ دو،“ چونکہ پوچھوں نے رنگا کے سوھے جوڑے پہنے، سب پانو میں ڈالیوں نے توڑے پہنے، بوٹی بوٹی پھول پھل کے گہنے جو بہت نہ تھے تو توڑے توڑے پہنے، جتنے ڈھڈھ ہے اور ہر یا اول میں لہلہ پات تھے، سب نے اپنے اپنے ساتھ میں چھپی مہندری کی رچاوت سجاوٹ کے ساتھ جتنی سماوٹ میں سماں کی، کراور جہاں تک نول پیاٹھی دھنیں نہیں نہیں پھلیوں کی اور سہا گنیں نئی نئی کلیوں کی جوڑے پنکھڑیوں کے پہنے ہوئے تھیں۔ سب نے اپنی اپنی گوہ سہاگ پیار کے پھول اور پھولوں سے بھر لی۔ اور تین برس کا پیسا، جو لوگ دیا کرتے تھے اوس راجا کے راج بھر میں جس جس ڈھب سے ہوا، کھیتی باڑی کر کے، حل جوت کے اور کپڑا تابیق کے کھوپچے کے، سو سب اون کو چھوڑ دیا جو جو اپنے گھروں میں بناؤ کے ٹھاٹھ کریں اور جتنے راج بھر میں کنوں تھے کھنڈ سالوں کی کھنڈ سالیں (لے جا) اون میں اوٹلی گئیں اور سارے بنوں میں اور پہاڑ تلیوں میں لا لیٹیوں کی جھم جھماہٹ راتوں کو دھائی دینے لگی۔ اور جتنی جھلیلیں اون سب میں کنسسھ اور ٹیسوار ہار سنگا رپڑ گیا اور کیسر بھی تھوڑی تھوڑی گھولے میں آگئی اور پھنگ سے لگا جڑ تک جتنے جھاڑ جھنکاڑوں میں پتے اور پتوں کے بندھے چھتے تھے اون پر رو

آس پا کر پھولے اپنے آپ میں نہیں سماتے، اور سارے اپنے راج کو یہی کہتے جاتے ہیں: جوزے بھوزے کے موئہ کھول دواور جس جس کو جو اوگت سوچھے، بول دو۔ آج کے دن سے اور کون سادن ھوگا ہماری آنکھوں کی پٹنیوں کا جس سے چین ہے اوس لاد لے اکلوتے کا بیاہ اور ھم تینوں کا ہر نوں کے روپ سے نکل کر پھر راج پر بیٹھنا۔ پہلے تو یہ چاہیے جن کی بیٹیاں بن بیاھیاں کنواریاں بالیاں ھوں اون سب کو اتنا کردو جو اپنی جس جس چاو چوچ سے چاھیں اپنی اپنی گڑیا سنوار کے اوٹھاویں، اور جب تک جیتی رھیں ہمارے یہاں سے کھایا پیا پکایا ریندھا کریں، اور سب راج بھر کی بیٹیاں سدا سہا گئیں بنی رھیں اور سوھے راتے چھٹ کبھی کوئی کچھ نہ پہنا کرے اور سونے روپے کے کواڑ گنگا جمنی سب گھروں میں لگ جائیں اور سب کوٹھوں کے ماٹھوں پر کیسر اور چندن کے ٹیکے لگے ھوں۔ اور جتنے پہاڑ ہمارے دلیں میں ھوں اتنے ھی روپے سونے کے پہاڑ آمنے سامنے کھڑے ھو جائیں۔ اور سب ڈانگوں کی چوٹیاں موتویوں کی مانگ سے بن مائلے تائے گھر جائیں اور پھولوں کے گہنے اور بندن واروں سے سب جھاڑ پہاڑ لدے پھندے رھیں۔ اور اس راج سے لگا اوس راج تک ادھر میں چھٹ سی باندھ دو۔ چتا چتا ایسا کہیں نہ رہے جہاں بھیڑ بھڑکا دھوم دھڑکا نہ ھو چاہیے پھول اتنے بہت سارے کھنڈ جائیں، جوندیاں جیسی سچ مجھ پھولوں کی بہتیاں ھیں یہ سمجھا جائے اور یہ ڈول کر دو، جدھر سے دو لھایا ہے کو چڑھیں، سب لاڑی اور ھیرے اور پکھرائی کی ادھر ادھر کنوں کی ٹھیاں بن جائیں اور کیاریاں سی ھو جائیں۔ جن کے پیچوں سچ سے ھو نکلیں۔ اور کوئی ڈانگ اور پہاڑ تلی کا اوتار چڑھاوے ایسا دکھائی نہ دے جس کی گود کپھروں اور پھول اور پھولوں سے بھری بھتوں نہ ھو۔

ہماری آپ کی ایک ھی بات ہے پر کچھ ایسی سوچ جائیے، جس میں وہ کنوراودے بھان حاتھ آؤں۔ یہاں جتنے گوئے اور گائیں ھیں ان سب کو ساتھ لیکے ھم اور آپ سارے بنوں میں پھریں کہیں نہ کھانا لگ جائے گا۔

ھرن اور ھرنی کے کھیل کا بگڑنا اور کنوراودے بھان اور اون

کے ما، پا ب کا نئے سر سے روپ پکڑنا

ایک رات راجا اندر اور گسائیں مہندر گر گھری ھوئی چاندنی میں بیٹھے راگ سن رہے تھے۔ کروڑوں ھرن آس پاس آن کے راگ کے دھیان میں چوڑی بھولے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس میں راجا اندر نے کہہ دیا: ”ان سب ھرنوں پر میرے سکت گروکی بھگت پھوڑی منتری، ایسرا باچا، پڑھ کے ایک ایک چھیننا پانی کا دو“ کیا جانے وہ کیسا پانی تھا پانی کے چھینے کے ساتھ ھی کنوراودے بھان اور اون کے ما، باپ تینوں جنے ھرنوں کا روپ چھوڑ کر جیسے تھے ویسے ھو جاتے ھیں۔ مہندر گر اور راجا اندر ان تینوں کو گلے لگاتے ھیں اور پاس اپنے بڑی آواز بھگت سے بھاتے ھیں۔ اور وھی پانی کا گھٹ اپنے لوگوں کو دے کر وہاں بھجوادیتے ھیں۔ جہاں سر منڈو واتے ھی اولے پڑے تھے۔ راجا اندر کے لوگ جو پانی کے چھینے وھی ایسرا باچا پڑھکے دیتے ھیں، جو جو مر مٹتے تھے، سب اوٹھ کھڑے ھوتے ھیں۔ اور جو ادھوئے ھو کے بھاگ بچ تھے سب سمٹ آتے ھیں۔ راجا اندر اور مہندر گر کنوراودے بھان اور راجا سورج بھان اور رانی پچھی بس کو لے کر ایک اوڑن کھٹو لے پر بیٹھ کر بڑی دھوم دھام سے اون کو اپنے راج پر بٹھا کے بیاہ کے ٹھاٹھ کرتے ھیں۔ پسیر یوں ھیرے موتی اون سب پر نچھاور ھوتے ھیں۔ راجا سورج بھان اور اون کے بھان اور اون کی مارانی پچھی بس چت چاہی

ٹھاٹھ کرنا گسائیں مہندر گر کا

جب کنور اودے بھان کو اس روپ سے بیا ہے چڑھے اور وہ باہن جو اندھیری کوٹھری میں موندا ہوا تھا اوس کو بھی ساتھ لے لیا اور بہت سے ساتھ جوڑے اور کہا ”باہن دیوتا ہمارے کہنے سنے پر نہ جاؤ تمہاری جو ریت ہوتی چلی آئی ہے بتاتے چلو“ ایک اوڑن کھٹولے پروہ بھی ریت بتانے کو ساتھ ہوا۔ راجا اندر اور گسائیں مہندر گر ایتھا تھی پر جھومتے جھاتے دیکھتے بھالتے سارا اکھاڑا لیے چلے جاتے تھے۔ راجا سورج بھان دو لھا کے گھوڑے کے ساتھ مالا جتنا ہوا پیدل تھا۔ اتنے میں ایک سنّتا ہوا، سب گھبرا گئے۔ اس سنّے میں سے وہ جو جوگی کے نوے لاکھ اتیت تھے سب کے سب جوگی بنے ہوئے سیلی تاگی موتیوں کی لڑیوں کی گلؤں میں ڈالے، گاتیاں اوسی ڈھب کی باندھے، مرگ چھالوں اور بکھرلوں پر آ تھر کے لوگوں کے جیون میں جختی اونگیں چھارھی تھیں، وہ چوگنی پچھنی ہو گیا۔ سکھپال اور چنڈلوں اور رخوں پر جختی رانیاں مہارانی پچھی باس کے پیچھے چلی آتیاں تھیں سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں اس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا، کہیں جوگی جے پال آ کھڑے ہوئے، کہیں مہادیو اور پارتی دکھائی پڑے، کہیں گورکھ جاگے، کہیں مچھندر ناتھ بھاگے، کہیں مچھ کچھ باراہ سنمکھ ہوئے، کہیں پر سرام، کہیں باون روپ، کہیں هرناکس اور نر سنگھ، کہیں رام پھمن اور سیتا سامنے آئے اور کہیں راون اور لنکا کا بکھیرا سارے کا سارا دکھائی دینے لگا۔ کہیں کھھیا جی کا جنم اشٹمی میں ہونا اور باس دیوکا گوکل کو لے جانا اون کا اس روپ سے بڑھ چلنا اور گائیں چرانی اور مرمری بجانی اور گوپیوں سے دھو میں مچانی اور رادھکا کا رس اور کجھ کا بس کر لینا۔ وہی کریل کی تجھیں، بنسی پٹ چیر گھاٹ، بندرا بن سیوا گنج، برسانے میں رہنا، اور اوس کنھیا سے جو جو کچھ ہوا تھا سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا اور دوار کا جانا اور وہاں سونے کے گھر بنانا اور پھر بر ج کونہ آنا اور سولہ سو

راجا اندر کا کنور اودے بھان کے بیاہ کا ٹھاٹھ کرنا

راجا اندر نے کہہ دیا ”وہ رنڈیاں چلبیاں جو اپنے جوبن کے مدھ میں اوڑ چلیاں ہیں۔ اون سے کہہ دو سولہ سنگار بال بال گنج موتی پراؤ، اور اپنے اپنے اچرج اور اچنہ کے اوڑن کھٹلوں کے اس راج سے لے کے اوس راج تک ادھر میں چھت سی باندھ دو، پر کچھ ایسے روپ سے اوڑ چلو جو اوڑن کھٹلوں کی کیاریاں اور چلواریاں سی سینکڑوں کوں تک ہو جائیں۔ اور اوپرھی اور مردگ، بین، جلتگ، مونہ چنگ، گھونکھرو، تبلے، کٹ تال اور سینکڑوں اس ڈھب کے انوکھے باجے بجتے آئیں، اور اون کیاریوں کے نقچ میں ہیرے، پکھراج، ان بندھے موتیوں کے جھاڑ اور لالٹینوں کی بھیڑ بھاڑ کی جھم جھماٹ دکھائی دے اور اونھیں لالٹینوں میں سے ہتھ پھول پکھڑیاں، جاصی، جو صیاں، کدم، گیندا، چنبلی اس ڈھب سے چھٹے جو دیکھتوں کی جھاتیوں کے کواڑ کھل جائیں اور پٹاخ جو اچھل اچھل کے پھوٹیں، اون میں سے خستے ستارے اور بولتے پکھروٹے ڈھل ڈھل پڑیں۔ اور جب تم سب کو ہنسی آوے، تو چاہیے اوس ہنسی سے موتیوں کی لڑیاں جھٹریں جو سب کے سب اون کو چین چن کے راج کے رابح ہو جاویں۔ ڈمنیوں کے روپ میں سارنگیاں چھیڑ چھیڑ سو ھلے گا، دونوں ساتھ ھلاو، اوٹکیاں نچاؤ، جو کسی نے نہ سنے ہوں وہ تاؤ بھاو، آو جاو، راو چاو دکھاو، ٹھڈیاں کیپکاوا اور ناک بھویں تان تان بھاوا بتاؤ، کوئی پھوٹ کر رہ نہ جاو، ایسا جماوا لاکھوں برس میں ہوتا ہے۔ جو جو راجا اندر نے اپنے مونہ سے نکالا تھا آنکھ کی جھپک کے ساتھ و وھیں ہونے لگا۔ اور جو کچھ اون دونوں مہاراجوں نے ادھر اودھر کہہ دیا تھا، سب کچھ اوسی روپ سے ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ جس بیا ہے کی یہ کچھ پھیلا وٹ اور جماٹ اور رچاوت اور پھر اوسی اور پتلے اس تھیگھٹ کے ساتھ ہو گی اوس کا اور کچھ پھیلا واکیسا کچھ ہو گا۔ یہ دھیان کرلو۔

تھیں اور کوئی ناولیٰ نہ تھی جو سونے کے روپے کے پتوں سے منڈھی ہوئی اور اس اوری سے ڈھپی ہوئی نہ ہو۔ اور بہت سے ناؤں پر ہندو لے بھی اوسی ڈھب کے، اون پر گائیں بیٹھیں جھولتی ہوئیں سو حلے کدارے اور باگیسری کانھڑے میں گارھیں تھیں دل بادل ایسے نواڑوں کے سب جھیلوں میں بھی چھارھے تھے۔

آپھو نخنا کنوراودے بھان کا بیاہ کے
ٹھاٹھ کے ساتھ دو لھن کی ڈیوڑھی پر

اس دھوم دھام کے ساتھ کنوراودے بھان سہرا باندھے جب دو لھن کے گھر تک آن پہنچا اور جو ریتیں اون کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں، ہونے لگیاں، مدن بان رانی کیتھی سے ٹھٹھو لی کر کے بولی ”یجھے اب سکھ سمیثے بھر بھر جھوٹی، سرنہوڑائے کیا یٹھی ہو؟ آئونہ، علک ھم تم مل کے جھروکوں سے اوختیں جھانکیں“، رانی کیتھی نے کہا: ”نہ ری ایسی علچی باتیں ہم سے نہ کر ایسی کیا پڑی جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر، ریل پیل کر، اوپن اور تیل پھلیل بھرے ہوئے اون کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں؟ مدن بان اس رُکھائی کو اوار ان گھائی کی انٹیوں میں کر بولی:

دو ھے اپنی بولی کے

یوں تو دیکھو واچھڑے جی واچھڑے جی واچھڑے
ھم سے اب آنے لگی ہیں آپ یوں مہرے کڑے
چھان مارے بن کے بن تھے آپ نے جن کے لیے
وہ ہرن جو بن کے مدھ میں ہیں بنے دو لھا کھڑے
تم نہ جاؤ دیکھنے کو جو اوختیں کچھ بات ہے

گوپیوں کا تملنا نام مہنے آ گیا۔ اون گوپیوں میں سے اودھو کا ھاتھ پکڑ کے ایک گوپی کے اس کہنے نے سب کو رو لا دیا، جو اس ڈھب سے بول کے رو ندھے ہوئے جی کو کھو تھی۔

گیت

جب چھاڑ کر میں کی کنجن کوں
ھر دوار کا جیوں ماں جائے چھئے
کل دھوت کے دھام بنائے گھنے
مہراجن کے مہاراج بھئے
تچ مسور مکٹ اور کامریا
کچھواڑھی ناتے جور لیے
دھرے روپ نے
کیے نیہ نے
اور گیاں چرائیو بھول گئے

اچھا پنا گھاٹوں کا کوئی کیا کہہ سکے

جننے گھاٹ دنوں راج کی ندیوں میں تھے پکی چاندی کے تھلے سے ہو کر لوگوں کو ھاکا کر رہے تھے۔ نواڑے بھولیے بھرے، لچکے، مور پنچھی، سونا کمھی، سیام سندر، رام سندر اور جتنی ڈھب کی ناویں تھیں، سترے روپ سے تھی بھائی، کسی کسائی سو سو لچکے کھاتیاں آتیاں جاتیاں، لہر اتیاں پڑی پھرتیاں تھیں۔ اون سب پر یہی گوئے۔ کچنیاں، رام جنیاں اور ڈونمیاں، کچھا چھ بھری اپنے اپنے کرتب میں ناچتی گاتی، بھاتی، کو دتی پھاندتی، دھو میں مچاتیاں، انگڑ اتیاں، جمھاتیاں اونگلیاں نچاتیاں، اودھی پڑتیاں

مارکر پڑے اوچھلنا، کچھ کہنے میں نہیں آنا۔

سر اھنا کنور جی کے جوبن کا

کنور اودے بھان کے اچھے پئے میں کچھ چل نکلا کس سے ہو سکے؟ ہوئے رے! اون کے او بھار کے دنوں کا سہانا پن اور چال ڈھال کا اچھن بچھن اٹھتی ہوئی کوپیل کی پچبن اور کھڑے کا گدرایا ہوا جوبن، جیسے بڑے تڑے کے ہرے بھرے پہاڑوں کی گود سے سورج کی کرن نکل آتی ہے۔ یہی روپ تھا۔ اون کی بھیگتی مسوں سے رس کا پکا پڑنا اور اپنی پر چھائیں دیکھ کر اکڑنا۔ جہاں چھانہ تھی اوس کا ڈول ٹھیک ٹھاک، اون کے پانوں تلے جیسے دھوپ تھی۔

دولھا اودے بھان کا سنگا سن پر بیٹھنا

دولھا اودے بھان سنگا سن پر بیٹھا اور ادھر اور ادھر اجا اندر اور جوگی مہندر گر جم گئے اور دولھا کا باپ اپنے بیٹے کے پیچھے مala لیے کچھ کچھ گنگنا نے لگا اور ناج لگا ہونے۔ اور ادھر میں جواوڑن کھٹولے اندر کے اکھاڑے کے تھے، سب کے سب اوسی روپ سے چھت باندھے ہوئے تھر کا کیے۔ مہارانیاں دنوں سمدھنیں بن کے آپس میں ملیاں چلیاں اور دیکھنے دا کھنے کو کھوں پر چندن کے کوڑوں کے اڑلوں میں آیتھیاں، سانگ، سنگیت، بھنڈتال، رھس ہونے لگا۔ جتنے راگ اور رانگیا تھیں: یمن کلیاں، سدھ کلیاں، جھونتی کا خڑا، کھدماج سوہنی، برج بھاگ، سوہرت، کانگڑا، بھیروی کھٹ للت، بھیروں، روپ کپڑے ہوئے سچ مچ کے جیسے گانے والے ہوتے ہیں، اوسی روپ سے اپنے اپنے سمیں پر گانے لگے اور گانے لگیاں۔ اوس ناج کا جو بھاؤ تاؤ رچاوت کے ساتھ ہوا کس کا منہ جو کہہ سکے؟ جتنے مہاراجا جگت پر کاش کے سکھ چین کے

جھانکنے کے دھیان میں ہیں اون کے سب چھوٹے بڑے ہے کہاوتُ جی کو بھاوے یوں ہیں پرمنڈیا ہلائے لے چلیں گے آپ کو، ہم ہیں اسی دھن پر اڑے سانس ٹھنڈی بھر کے رانی کیتکی بولی یہ سچ سب تو اچھا کچھ ہوا، پر اب بکھیرے میں پڑے واری پھیری ہونا مدن بان کارانی کیتکی پر اور اوس کی باس سونگھنا اور اونیدے پن سے اونگھنا

اوں گھڑی کچھ مدن بان کورانی کیتکی کے مانجھے کا جوڑ اور بھینا بھینا پن اور آنکھیوں کا الجیانا اور بکھرا بکھر اجانا بھلا لگ گیا، تورانی کیتکی کی باس سونگھنے لگی اور اپنی آنکھوں کو ایسا کر لیا جیسے کوئی انگھن لگتا ہے۔ سر سے لگا پانوں تک جوواری پھیری ہو کے تلوے سہلانے تب لگی۔ رانی کیتکی جھٹ سے دھیمی سی سکی، پچھے کے ساتھ اونھی مدن بان بولی ”میرے ہاتھ کے ٹھوکے سے وہ ہی پانوں کا چھالا دوکھ گیا ہو گا جو ہر نوں کی ڈھونڈھ ڈھانڈھ میں پڑ گیا تھا“۔ ایسی دھتی چکلی کی چوٹ سے مسوں کر انی کیتکی نے کہا ”کاشاڑ اتوڑ اور چھالا پڑا تو پڑا، پر نگوڑی تو کیوں میری پچھالا ہوئی۔“

سر اھنا رانی کیتکی کے جوبن کا

رانی کیتکی کا بھلا لگنا لکھنے پڑھنے سے باہر ہے۔ وہ دنوں بھوؤں کی سکھاوت اور پتیوں میں لاج کی سماوت اور نوکیلی پلکوں کی رونداشت اور حنسی کی گاواٹ پنتریوں میں مسی کی ادواحت اور اتنی بات پر روكاوت سے ناک اور تیوری چڑھا لینا اور سہیلیوں کو گالیاں دینا اور چل نکلنا اور ہر نیوں کے روپ سے کر چھالیں

وہ اوڑن کھٹو لے والیاں جو ادھر میں چھت باندھے ہوئے تھرک رہی تھیں، بھر بھر جھولیاں اور مٹھائیاں ہیرے اور موٹیوں سے نچحاور کرنے کے لیے اوترا آئیاں اور اوڑن کھٹو لے جیوں کے تیوں ادھر میں چھت باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ دو لھا دلھن پر سے سات سات داری پھیرے ہونے میں پس پک گئیاں اور اون سبھوں کو ایک چکنی سی لگ گئی۔ راجا اندر نے دلھن کی مونہ دکھائی میں ایک ہیرے کا کڈال چھپر کھٹ اور ایک پیڑھی پلھر ان کی دی اور ایک پار جات کا پودھا جس سے جو پھل مانگیے سوھی ملے، دلھن کے سامنے لگا دیا، اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اوس کے نیچے باندھ دی، اور ایس لونڈیاں اونھیں اوڑن کھٹو لے والیوں میں سے چن کے اچھی سے اچھی، ستری سے ستری، گاتی بجا تیاں، سیتی پروتیاں، سکھڑ سے سکھڑ، سونپیں اور اونھیں کہہ دیا ”رانی کیتکی چھٹ اون کے دو لھا سے کچھ بات چیت نہ رکھیو، تمہارے کان پہلے ہی مروڑے دیتا ہوں۔ نہیں تو سب کی سب پتھر کی مورتیں بن جاؤ گی اور اپنا کیا آپ پاؤ گی“، اور گساں میں مہندر گرجی نے باون تو لے پاؤ رتی جسے کہتے ہیں اور سنتے ہیں اوس کے اکیس مٹکے آگے رکھے اور کہا ”یہ بھی ایک کھیل ہے جب چاہیے تو بہت ساتا نباگلا کے ایک اتنی سی چلکی چھوڑ دیجئے گا، کنچن ہو جائے گا“۔ اور جو گی جی نے یہ سبھوں سے کہہ دیا: ”جو لوگ اون کے بیاہ میں جا گے ہیں اون کے گھروں میں چالیس دن رات سونے کی ہڈیوں کے روپ میں ہن بر سیں، اور جب تک جنہیں کسی بات کو پھر نہ ترسیں“۔

نواکھنیاں نوے گائیں سونے روپے کی سنگوٹیوں کی جڑ او گہنا پہنے ہوئے گھنگھر و چنچھنا تیاں، بامھنوں کو دان ھوئیں اور سات برس کا پیسا سارے سارے راج کو چھوڑ دیا گیا بائیس سے ھاتھی اور چھتیں سے اونٹ روپوں کے توڑے لدے ہوئے لٹا دئے۔ کوئی اوس بھیڑ بھاڑ میں دونوں راج کا رہنے والا ایسا نہ رہا جس کو گھوڑا جوڑا،

گھرتھے؛ مادھو بلاس، رس دھام، کشن نواس، مجھی بھوں، چندر بھوں سب کے سب پتے سے لپٹیے اور سچے موٹیوں کی جھارلیں اپنی گانٹھ میں سمیٹے ہوئے ایک پھبیں کے ساتھ متوا لوں کے روپ سے جھوم جھوم بلیٹھے والوں کے مونہ چوم رہے تھے۔ پیچوں تیج اون سب گھروں کے ایک آرسی دھام بنایا تھا۔ جس کی چھت اور کواڑ اور آنکن میں آرسی چھت کہیں لکڑی اینٹ پتھر کی پٹ، ایک اونگی کے پورے بھرنہ تھی۔ چاندنی کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھا ایک رات رہ گئی تب رانی کیتکی سی دلھن کو اوسی آر سی بھوں میں بٹھا کر دو لھا کو بلا بھیجا۔ کنوراودے بھان کنھیا بنا ہوا، سر پر مکٹ دھرے، سہر اب انہے، اوسی تڑاوے اور جمگھٹ کے ساتھ چاند سما مکھڑا لیے جا پہنچا جس جس ڈھب سے بانھن اور پنڈت کہتے گئے اور جو جومہار اجوں میں ریتیں ھوتی چلی آتیاں تھیں اوسی ڈول سے اوسی روپ سے بھوزی گٹھ جوڑا سب پتھر ہو لیا۔

دو ھے اپنی بولی کے

اب اودے بھان اور رانی کیتکی دونوں ملے
آس کے جو پھول کھملائے ہوئے تھے پھر کھلے
چین ھوتا ھی نہ تھا جس ایک کو اوس ایک بن
رہنے سہنے سو گے آپس میں اپنے رات دن
اے کھلاڑی یہ بہت تھا کچھ نہیں تھوڑا ہوا
آن کر آپس میں جو دونوں کا گٹھ جوڑا ہوا
چاہ کے ڈوبے ہوئے اے میرے داتا سب تریں
دن پھرے جیسے انھوں کے دیسے سب کے دن پھریں

روپوں کا توڑا سونے کے جڑ اکڑوں کی جوڑی نہ ملی ہو۔

اور مد بان چھٹ دو لھا دو لھن کے پاس کسی کا ھواونہ تھا، جو بن بلائے چلی
جائے، بن بلائے دوڑی آئے، تو وہی آئے اور حنسائے تو وہی حنسائے۔ رانی کیتکنی
کے چھیڑنے کو اون کے کنور کیوڑا بھی کہہ کے پکارتی تھی اور اونی بات
کوسوسوروپ سے سنوارتی تھی۔

دو ھٹے اپنی بولی کے

گھر بسا جس رات انھوں کا تب مدن بان اوس گھڑی
کہہ گئی دو لھا دو لھن کو ایسی سو باتیں کڑی
باس پا کر کیوڑے کی کیتکنی کا جی کھلا
چھ ھے ان دونوں جنزوں کو اب کسی کی کیا پڑی
کیا نہ آئی لاج کچھ اپنے پرانے کی؟ ابھی
تھی ابھی اوس بات کی ایسی بھلا کیا ہر بڑی
مسکرا کر تب دو لھن نے اپنے گھونگھٹ سے کہا
” موگرا سا ہو کوئی کھولے جو تیری گل جھڑی
جی میں آتا ہے ترے ھونڈوں کو مل ڈالوں ابھی
بل بے، اے رندی، ترے دانتوں کی مسی کی دُھڑی،“



64

راني کيتكى کى کھانى

63

راني کيتكى کى کھانى